اِنتخابِ کلامِ مومنؔ

مرتبہ

عبدالودود خاں

پبلشرز

سنگم کتاب گھر دہلی

یونین پرنٹنگ پریس دہلی

تقریب

(جناب مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

شعرائے اُردو میں مومن دہلوی کو کئی اعتبارات سے جو امتیازی درجہ حاصل ہے وہ اہل ذوق سے مخفی نہیں ان کی ذات میں کئی ایسے اوصاف جمع ہوگئے ہیں جو فرداً فرداً بھی دوسروں کے ہاں مشکل سے ملیں گے اور مجموعی طور پر تو کوئی ایسی شخصیت خیال میں نہیں جو ان اوصاف میں ان کی شریک ہو۔

(۱) وہ نہ صرف اُردو کے صاحب طرز اُستاد ہیں بلکہ فارسی شعر و انشاء میں بھی اپنے عہد کے منتخب افراد میں ہیں ان کی اُردو شاعری پر حال میں کافی لکھا گیا ہے لیکن فارسی کلام پر جو ۱۲۷۱ھ میں ان کے عزیز حکیم احسن اللہ خاں کے اہتمام سے مطبع سلطانی قلعہ دہلی میں طبع ہوا تھا چنداں توجہ نہیں کی گئی حالانکہ وہ اس کا مستحق تھا۔

(۲) انھوں نے مرزا غالب اور ذوق کے برخلاف صرف ایک دو صنف شعر ہی کو نہیں لیا بلکہ تمام اصناف سخن کو برتا اور کامیابی کے ساتھ برتا۔ اردو کیا فارسی میں بھی معدودے چند ایسے اساتذہ ملیں گے جو ایک سے زیادہ صنف پر قادر ہوں اس کے برعکس مومن کا کمیت قلم غزل۔ قصیدہ۔ مثنوی۔ رباعی۔ قطعہ۔ نیز حمد۔ نعت۔ منقبت۔ مدح۔ مرثیہ وغیرہ کی دشوار گذار راہوں کو کامیابی کے ساتھ طے کرتا چلا جاتا ہے۔

(۳) مومن مختلف علوم و فنون کے جامع تھے اور جامعیت کے ساتھ کمال یہ تھا کہ جس علم یا فن کو اختیار کیا اس میں دستگاہ کامل بہم پہونچائی۔ علوم دینی کے علاوہ طب۔ ریاضی۔ ہیئت۔ رمل۔ شطرنج۔ موسیقی میں بھی وہ اس وقت کی دہلی میں کامل روزگار مانے جاتے تھے۔

(۴) وہ اپنے عہد کی مذہبی و سیاسی تحریکات سے پوری ہمدردی رکھتے تھے اور ان کو کامیاب بنانے کیلئے ہمیشہ ساعی رہتے تھے۔ اسکی جھلک ان کی شاعری میں بھی ملتی ہے۔ اور اسکے

مطالعہ کے بغیر ان کی شاعری پر رائے قائم کرنا درست نہیں۔

(۵) ان کی شاعری روایتی نہیں ہے بلکہ آپ بیتی ہے اس لحاظ سے ان کا کلام تمام تر صدق جذبات کا آئینہ دار ہے۔

(۶) وہ طبعاً روشِ عام پر چلنا پسند نہ کرتے تھے اس وصف نے ان کو خیال اور بیان کی نئی نئی راہیں دکھائیں، اور اسی وجہ سے ان کی شاعری میں پیچیدگی اور اشکال پیدا ہو گیا۔ اور اسی کی بدولت ان کے ہاں دوسرے اساتذہ سے اخذ و توارد کی مثالیں نہیں ملتیں۔

(۷) انھوں نے کبھی شاعری یا دوسرے کمالات کو پیشہ بنانا گوارا نہ کیا نہ اہل دول کی مدح کی۔

یہ افسوس کا مقام ہے کہ ان خوبیوں کے باوجود مومن کے کلام پر جیسی کہ چاہیئے توجہ نہیں کی گئی۔ مومن نے سچ کہا تھا ؎

"یوسفم را بہ کلاوہٗ پیرزال نمی فروشند وازچاہ کنعانی بہ سیم قلب ہم نمی برند"

خودستائی نہیں بلکہ اظہار حقیقت مقصود ہے کہ پہلی بار ان کے کلام کی تصحیح اور تشریح کا خیال راقم الحروف کو آیا۔ چنانچہ ۱۹۲۵ء میں میری مرتبہ شرح قصائد مومن الناظر پریس لکھنؤ سے اور ۱۹۳۴ء میں شرح غزلیات شانتی پریس الہ آباد سے اشاعت پذیر ہوئی۔[۱] اس کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ ایڈیشن عام بازاری نسخوں سے صحیح تر ہو اسی کے ساتھ شروع میں مفصل مقدمہ اور حواشی ذیل میں مشکل اشعار کے مطالب دیدیئے گئے ہیں۔ راقم نے شرح غزلیات کے پہلے ایڈیشن (۱۹۳۴ء) میں اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ "الحمد للہ کہ ملک کے مطلع پر جمود کی جو گھٹا چھائی ہوئی تھی اب تبدیج چھٹتی جا رہی ہے اور امید کی شعاع اپنا چمکتا چہرہ دکھا رہی ہے۔"

شکر ہے کہ یہ خیال بے بنیاد ثابت نہیں ہوا اور ملک کے اہل قلم مومن کے ساتھ انصاف

---

[۱] اس کا دوسرا ترمیم شدہ ایڈیشن ۱۹۴۷ء میں اور تیسرا کسی قدر اضافہ و ترمیم کے ساتھ ۱۹۵۷ء میں چھپ گیا ہے۔

کرنے پر مائل ہوتے چنانچہ ۱۹۲۷ء میں رسالہ اُردو میں خاکسار کے مقالے کے ساتھ پہلی دفعہ مومن کی تصویر شائع ہوئی اور ۱۹۲۸ء میں نگار نے اپنا مومن نمبر بڑے اہتمام سے نکالا۔ اس کے بعد متعدد لکھنے والوں نے موقّر رسائل میں مومن پر مقالات و مضامین لکھے۔ آج کل بھی ایک انتخاب مومن شرح کے ساتھ انجمن ترقی اردو علی گڑھ کی نگرانی میں چھپ رہا ہے۔

اس کے علاوہ جہاں تک معلوم ہوا ہے تقریباً چھ سات افراد یا ادارے ہندوستان یا پاکستان[2] میں کل کلام یا انتخاب پر کوئی نہ کوئی کام کر رہے ہیں جس کو یقیناً ایک فالِ نیک کہا جا سکتا ہے۔

حال میں عبدالودود صاحب (دہلی) نے ایک انتخاب مومن تیار کیا ہے جسمیں قصائد غزلیات۔ مثنویات۔ اور دوسری اصناف سے اشعار لئے گئے ہیں۔ راقم کو غزلیات کے سوا دوسری اصناف کا انتخاب دیکھنے کا موقع نہیں ملا اور غزلیات کو بھی قلت فرصت کے باعث جستہ جستہ پڑھ سکا۔ انتخاب کی نوعیت کے بارے میں یہ عرض کرنا کافی ہے کہ ہر شخص کا مذاق جُدا ہے اور ضروری نہیں کہ ایک شخص کا انتخاب دوسروں کے ذوق کی بھی لازمی طور پر تسکین کرے۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے ایک ادبی خدمت انجام دی ہے اور ضرورت ہے کہ ملک کے ادبی حلقے ان کی ہمت افزائی کریں۔

ضیاء احمد بدایونی
ریڈر مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

۱۲ر نومبر ۱۹۵۷ء

---

[2] حال میں پاکستان سے کلیات مومن مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی منظرِ عام پر آیا ہے جو افسوس ہے کہ سرتاپا غلط اور مسخ شدہ ہے اور جسمیں بازاری مطبوعہ نسخوں کی بجنسہٖ نقل کر دی گئی ہے۔ اُمید ہے کہ عبدالودود صاحب ایسے نسخوں کی جگہ کسی صحیح نسخے کو اپنا ماخذ قرار دیں گے۔

مقدمہ

حکیم نامدار خاں اور حکیم کامدار خاں دو بھائی تھے جو کشمیری شرفا سے متعلق تھے سلطنت
مغلیہ کا شیرازہ ابھی بکھرا تو نہ تھا مگر انتشار کے آثار ضرور پیدا ہو چکے تھے۔ کہ یہ دونو بھائی شاہی
طبیب بن کر شاہ عالم کے دربار میں داخل ہوئے اور موضع بلا ہہ اور نارنول میں جاگیر پائی ــــ
نامدار خاں کے بیٹے حکیم غلام نبی خاں کوچہ چیلان میں رہتے تھے جس کو پرانے وقتوں میں کوچہ
چہل امیران یا کوچہ چہلان کہا جاتا تھا۔ سنتے ہیں کہ یہاں چالیس درباری رئیس رہتے تھے اور
اسی وجہ سے اس محلہ کا یہ نام پڑا تھا۔ محلہ آج بھی قائم ہے اگرچہ اس کی شکل وصورت زمانے
نے بدل دی ہے اور پرانے مکینوں کو اجل چھین کر لے گئی ہے پھر بھی کچھ پرانے آثار باقی ہیں جن
میں حکیم غلام نبی خانصاحب کا مکان بھی ہے۔ دِلّی والوں نے بیرسٹر آصف علی کا مکان تو
دیکھا ہوگا (جسمیں آجکل لڑکیوں کا اسکول ہے) اس مکان کی پشت پر مغرب میں ایک پتلی سی
گلی ہے۔ اس گلی میں حکیم صاحب کی حویلی تھی جو اب بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی ہے۔ تو اس حویلی
میں حکیم صاحب کے ہاں ایک بیٹا ہوا یعنی حکیم نامدار خاں کا پوتا۔ سن ولادت ۱۲۱۵ھ ہے۔
غلام نبی خاں کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بڑی عقیدت تھی۔ شاہ صاحب بڑے پائے
کے بزرگ گزرے ہیں اور بڑے جیّد محدث مانے جاتے ہیں۔ ان کا مدرسہ حکیم صاحب کے

گھر کے قریب ہی یعنی کلاں محل میں تھا۔ عمارت آج بھی باقی ہے مگر اب نہ پڑھنے والے ہیں نہ پڑھانے والے۔ انہی شاہ صاحب نے لڑکے کے کان میں اذان کہی اور مومن خاں نام رکھا۔ گھر والوں کو یہ نام کچھ پھیکا سا لگا اور چاہا کہ حبیب اللہ کہکر پکاریں مگر اللہ والوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پتھر کی لکیر ہوتا ہے بھلا شاہ صاحب کا رکھا ہوا نام کیسے بدل جاتا۔ مومن مومن ہی رہے اور دنیا نے انھیں مومن ہی پکارا۔

بچپن کی ابتدائی شد و بود کے بعد حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے عربی کی تحصیل کی طبیعت میں تیزی تھی اور ذہن بہت رسا پایا تھا۔ حافظہ بھی بڑے غضب کا تھا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا وعظ سن کر ہو بہو اسی طرح ادا کر دیا کرتے تھے۔ عربی پڑھ لینے کے بعد اپنے آبائی پیشے یعنی طب کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے چچا حکیم غلام حیدر خاں اور غلام حسن خاں کی شاگردی اختیار کی۔ چچاؤں نے بڑی محبت سے پڑھایا اور تجربہ حاصل کرانے کیلئے اپنے ہی مطب میں نسخہ نویسی کرائی پھر طبیعت نجوم کی طرف مائل ہوئی چنانچہ جب اس طرف قدم بڑھایا تو دلی کے واحد نجومی گنے جانے لگے۔ ان کے اکثر احکام ایسے ٹاکم ٹوک پورے اترتے تھے کہ اچھے اچھے نجومی حیران رہ جاتے تھے۔ حافظے کا یہ عالم کہ بس سال بھر میں ایک دفعہ تقویم پر نظر ڈال لی بس کافی ہے۔ اب بار بار نہ زائچہ کھینچنے کی ضرورت ہے نہ تقویم دیکھنے کی۔ سیاروں کی رفتار پوری طرح ذہن میں ہے جو چاہے سوال کر لے۔

شطرنج سے امراء کو ہمیشہ دلچسپی رہی ہے۔ مومن بھی اس کے بڑے شائق تھے دلی میں صرف مولانا فضل حق ہی مومن کا مقابلہ کر سکتے تھے مگر وہ بھی عموماً ہارا کرتے تھے۔ آپ کے ان کے نجوم کا ایک واقعہ نقل کر دوں جو دلی کے آخری مشاعرے سے لیا ہے۔ ایک شاہ زادے مومن کے پاس شطرنج کا ایک نقشہ پوچھنے آئے تو دیوار پر ایک چھپکلی بیٹھی ہوئی تھی۔ مومن نے کہا

میاں صاحبزادے جب پچھم سے ایک دوسری چھپکلی آکر اس چھپکلی کو اپنے ساتھ لیجائے گی تو نقشہ بتایا جائے گا۔ جس دیوار پر چھپکلی تھی اسکے پچھم رخ یہ سب لوگ بیٹھے تھے اور ان لوگوں کے بعد دروازہ تھا تو چھپکلی کا آنا اور اتنے آدمیوں کے درمیان سے ہو کر جانا مشکل تھا کہ ناگہاں ایک کپڑے والا آیا اس نے جو اپنی گٹھری زمین پر ڈالی۔ اس میں سے ایک چھپکلی نکلی اور دیوار پر چڑھ کر پہلی چھپکلی کے پاس گئی پہلی چھپکلی اس دوسری چھپکلی کے ساتھ چھت پر غایب ہو گئی۔

مومن نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ بقول مولانا حالی کے دورِ اکبری شاہجہانی کی دِلّی کی یاد دلاتا تھا۔ مومن کا گھرانہ ایک مذہبی گھرانا تھا اور ان کی پرورش بھی ایک مذہبی ماحول میں ہوئی اس وجہ سے مومن خدا ترس اور خدا پرست رہے۔ مومن نے بحیثیت شاعر کے ایک نئی راہ شاعری میں پیدا کی اور لوگوں کی طرح مومن لکیر کے فقیر نہیں رہے۔ ان سے پہلے لوگوں میں سے کسی نے چمن ادب کے پھولوں سے پیار کیا ہے کسی نے کانٹوں سے دامن تار تار کیا ہے۔ مگر مومن نے صرف گلوں کو ہی نہیں چوما صرف خاروں سے ہی دامن نہیں اُلجھایا بلکہ چمن کی ہر پتی کو نگاہِ التفات سے دیکھا ہے چمن کے ذرّے ذرّے سے پیار کیا ہے۔ خس و خاشاک کو چوما ہے۔ مومن نے وہ راہ نکالی ہے جس میں نہ صرف گل ہی گل ہیں نہ خار ہی خار بلکہ ان کے درمیان سے ایک راستہ نکالا ہے۔ مومن نے زلف برہم کو سنورنا ہی نہیں سکھایا بلکہ سنوری ہوئی زلفوں کو بکھرنا بھی سکھایا ہے۔ جہاں آسمانِ ادب پر ذوق و غالب جیسے کہکشاں و ثریا موجود ہیں وہاں مومن نے اپنے لئے قطبی ستارہ کا سا اٹل مقام تلاش کیا ہے۔ مومن کا اسپ تیز گام شاعری اور ادب کی شاہراہوں پر بے محابہ دوڑا ہے اور خوب دوڑا ہے۔ اگر گلاب مختلف رنگوں کے ہوں تو ان کے پیلے سفید۔ گلابی اور سُرخ ہونے سے نسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور وہ سب کہلاتے گلاب ہی ہیں اسی طرح مومن کی غزل ہے۔ مومن وارداتِ عشق فراق و

وصل، خزاں وبہار، یاس وامید سب کو بیان کرتے ہیں لیکن جس طرح مختلف رنگوں کے گلابوں کا مرکز ایک ہے اسی طرح غزل مومن کا مرکز بھی ایک ہے اور وہ مرکز سے نہیں ہٹتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں جہاں ان کے ہمعصروں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آتا ہے۔ مومن کی غزل کی بنیاد صرف واردات عشق پر ہے۔ جو بنیاد غزل ہے۔ مومن کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس تنگ میدان میں وسعت پیدا کی ہوا اور اس محدود صنف میں وہ کمالات پیدا کئے ہیں کہ نفس غزل کے لحاظ سے بہترین غزلگو کہلانے کے مستحق ہیں اور کیونکہ مومن کی تمام تر شاعری صرف غزل ہی نہیں بلکہ قصاید مثنویات اور رباعیات تمام تر داخلی ہے ثبوت میں مومن کا شعر پیش ہے ؎

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

مومن کی غزلگوئی کا اعتراف خود غالب نے مومن کے ایک شعر ؎

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

پر اپنا پورا دیوان نثار کر دینے کو کہہ کر کیا ہے۔ نازک خیالی اور مضمون آفرینی جس کو فارسی شعراً کے یہاں کافی عروج حاصل ہے۔ اردو میں یہ وصف سب سے پہلے مومن نے اپنی غزل میں پیدا کیا یہاں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مومن اس طرز کے موجد ہیں گو کہ غالب بھی اس فن میں شریک مومن ہیں مگر خود مولانا الطاف حسین حالی نے اس سلسلے میں لکھا ہے کہ نازک خیالی غالب سے زیادہ مومن میں ہے۔ اور یہ ٹھیک بھی ہے کہ غالب نے اسکو اس حد تک نہیں اپنایا جس حد تک کہ مومن نے جیسے ؎

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

معشوق کے نہ دیکھنے کو کس انداز سے نگاہ التفات ثابت کیا ہے۔ یا پھر ایک جگہ کہتے ہیں ؎

مکر شاعرانہ، یہ تھا مقدر میں اس سے ملنا کم کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی

مومن اس فن کے موجد بھی ہیں اور خاتم بھی مومن اپنے مطلب کو اس خوبی سے ادا کرتے ہیں کہ مخاطب یا محبوب یہ سمجھے کہ جو کہا جا رہا ہے اسمیں اسی کا فائدہ ہے جیسے ؎

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

معاملہ بندی :- اس فن میں مومن سے پہلے جرات نے بھی طبع آزمائی کی ہے مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ کیونکہ جرات اس جگہ ذرا ادب سے نیچے بھی گر گئے ہیں لیکن مومن نے دائرہ تہذیب میں رہ کر جذبات عشق کی ترجمانی کی ہے جیسے ؎

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی　　تو بھی نہ واں تغافل بے جا رکم ہوا

یا ؎　وصل کی شب شام سے میں سو گیا　　جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

طنز :- تاریخ ادب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس فن کو مومن سے زیادہ کسی نے نہیں اپنایا

غالب نے کہا ہے ؎

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے　　ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

غالب کا کہنا ہے کہ محبوب کی دوستی کے بعد آسمان کی دشمنی کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اور مومن فرماتے ہیں ؎

رحم فلک اور مرے حال پر　　تو نے کرم اے ستم آرا کیا

یعنی محبوب کے ظلم اس قدر بڑھے کہ آسمان کو رحم آنے لگا۔ گویا بقول غالب محبوب کی محبت میں مبتلا ہونے پر آسمان جو مصیبتوں کا ذمہ دار ہے ایک عاشق پر مصیبتیں نازل نہیں کرتا بلکہ اس محبت کو ہی ایک بڑی مصیبت سمجھ کر پھر عاشق کو چھوڑ دیتا ہے اور بقول مومن محبوب سے محبت ہونے پر نہ صرف یہ کہ آسمان دشمنی چھوڑ دیتا ہے بلکہ اس کو عاشق پر رحم آنے لگتا ہے۔ غرضیکہ اس قسم کے طنز اور چٹکیاں مومن کے کلام میں بہ افراط ہیں۔ اس کے علاوہ مومن جلی کٹی سنانے میں بھی اور شاعروں کیطرح واسوخت کے میدان میں بھی دوسروں سے پیچھے نہیں رہے ہیں مثلاً ؎

کیا نامہ میں لکھوں دلِ وابستہ کا احوال　　معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے
ٹھہری ہے کہ ٹھہرائیں گے زنجیر سے دل کو　　پر بر بھی نہ زلف کا سودا نہ کریں گے
گر آرزوئے وصل صنم نے بیمار کیا تو　　پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

مومن خاں شاعر ہونے کے ساتھ ایک پکے دیندار انسان بھی ہیں کیونکہ پکے دیندار ہیں اس وجہ سے دیندار بھی ہیں اور بلند اخلاق بھی اسی وجہ سے مومن کا عشق اور کلام بازاری نہیں ہے۔ وہ دادِ عیش دینے میں بیباک نہیں ہوتے ہیں اور نہ سامانِ عیش کے فراہم ہونے پر خدا سے گلہ وشکوہ کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ ایک دیندار ہونے کی وجہ سے ہے جسطرح ایک دیندار کا آخری سہارا خدا ہوتا ہے اسی طرح مومن بھی خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جیسا خود کہا ہے کہ ؎

ہو نہ بیتاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومنؔ　　دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

مومن اتفاقات وحادثات زمانے سے ناامید ہو کر ہمت نہیں ہارتے ہیں۔ کیونکہ ایک پکے دیندار ہیں اس وجہ سے یہ جانتے ہیں کہ یہ نظام قدرت ہے کہ بُرے دنوں کے بعد اچھے اور اچھے دنوں کے بعد بُرے دن بھی آتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آج جس چمن میں خزاں کا دَور دَورہ ہے کل اس میں بہار کی حکمرانی بھی ہوگی اور آج جس چمن میں بہار کا گذر ہے کل اس میں خزاں کا قیام بھی ہوگا۔ مومن یہ سمجھتے ہیں کہ ویرانوں میں بستیاں بستی ہیں اور بستیاں ویران بھی ہوتی ہیں ان کو اس چیز کا احساس ہے کہ ہر مصیبت خوشی کا پیغام لاتی ہے اور خوشیاں کسی آنیوالی مصیبت کا پیش خیمہ۔ اس وجہ سے وہ کوئی بات اس اصولِ فطرت اور قانون قدرت سے ہٹ کر نہیں کرتے ہیں۔ نہ فلک کو ناہنجار و کج رفتار ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔

مومن اگر روٹھے ہوتے محبوب کو مناتے ہیں تو اس بات کے بھی متمنی رہتے ہیں کہ محبوب بھی کبھی ان کو منائے اور اس کے لئے وہ بسا اوقات محبوب کو دھمکیاں بھی دیتے ہیں جیسے ایک جگہ کہا ہے ؎

مجھ سے مِل کر رقیبوں سے میں سب کہدونگا　　دشمنی اب کی اور وہ پہلا اخلاص

اور ایک جگہ کہتے ہیں ؎

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا　　جانتا ہے تو میرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

مومن بھی رقیب کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ مگر رقیب کو کوسنے نہیں دیتے ہیں بلکہ

خوش اسلوبی سے پہلوتہی کر لیتے ہیں۔ جیسے ایک جگہ فرمایا ہے ؎

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جاتے ہے ۔۔۔ یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

اسکے علاوہ مومن دنیا سے یہ بھی کہتے ہیں کہ عشق بڑی بلا ہے گو خود عشق کرتے ہیں مگر دنیا کو اس سے بچانے کے لئے اس کے نتائج سے آگاہ بھی کرتے ہیں ؎

سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق ۔۔۔ قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق

لیکن اسکے ساتھ ساتھ مومن مذہب کا دامن بھی ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں۔ ان کو اس بات کا اعتراف ہے کہ (یہ عشق اگر خدا سے ہوتا تو زیادہ بہتر تھا) بتوں کے کہے پر عمل کرنے سے زیادہ بہتر خدا کے حکم پر عمل کرنا ہے ۔جس کے نہ کرنے کا ان کو اعتراف ہے۔

مومن وارداتِ عشق کو بیان کرتے وقت دامنِ ادب و تہذیب کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں۔ ان کا عشق وہ عشق ہے جو حسین ملبوسات میں پوشیدہ ہے بازاری نہیں ہے اور صرف خیالی بھی نہیں اسمیں حقیقی رنگ ہے کیونکہ اس میں مومن کا عشق جھلکتا ہے۔ جی ہاں یہ صحیح ہے کہ مومن کو ایک عورت مسماۃ امتہ الفاطمہ بیگم المعروف بہ صاحب جی سے عشق تھا جس کا تذکرہ "تذکرہ طبقات الشعراء" میں میاں کریم الدین اس طرح کیا ہے "صاحب ایک عورت مسماۃ امتہ الفاطمہ بیگم جس کو صاحب جی بھی کہتے ہیں درمیان شاہجہاں آباد کے حکیم مومن خاں سے ملاقات اسکی بتقریب علاج کے ہوئی تھی۔ مدت تک آشنائی رہی کئی سال گذرے کہ وہ لکھنؤ چلی گئی۔ وہ ایک خانگی تھی۔ مثنوی قولِ غمیں مومن کی اسی محبوبہ کے عشق میں ہے۔ با سبب فیض صحبت مومن خاں وہ بھی شعر کہنے لگی تھی" لیکن اگر مومن نے عشق کیا تو کیا غضب کیا دورِ ظفر کے اس بغداد میں عشق و عاشقی لازم و ملزوم سے ہو کر رہ گئے تھے اور مومن نے اسی شہر اور اس کے ماحول میں پرورش پائی تھی پھر وہ کس طرح اس سے الگ رہتے۔ خیر تو کلام مومن میں اسی عشق کا رنگ ملتا ہے۔ صحیح جذبات دل کی صحیح ترجمانی ہے اس میں نہ صرف خاص دِلّی والی زبان کی جھلک ہے بلکہ روزمرہ اور محاوراتی زبان کی بھی

مومن نے کیونکہ عریاں اور بازاری پن کو پسند نہ کیا اس وجہ سے ان کی غزلیں ادق اور مشکل ہوگئی ہیں۔ اس کے علاوہ مومن نے اپنے کلام کا انتخاب اسوقت شروع کیا جب وہ کوٹھے سے گر کر بستر مرگ پڑے ہوئے تھے۔ مومن بولتے جاتے تھے اور ان کے داماد مولوی عبدالغنی صاحب وکیل سیتاپوری لکھتے جاتے تھے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ صرف پانچ ماہ میں پورے کلام کا انتخاب کرنا اسے مرتب کرنا اور پھر عالم تکلیف میں اسی وجہ سے کلام ذرا ادق ہوگیا ہے۔ لیکن اگر مومن ایام محن کے علاوہ دور صحت میں یہ کام انجام دیتے تو واقعی بہت بہتر ہوتا۔ اس کے علاوہ کلام مومن میں حالات زمانہ کا رنگ بھی ہے۔ جیسے ایک جگہ لکھا ہے کہ ؎

رام پور میں لایا جنوں کا شوق ۔۔۔ ویرانہ چھوڑ گئے ہیں ویرانہ تر میں ہم

اس شعر کا پس منظر اوروں کے تحت "صاحب جی" کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کی تلاش میں در بدر ٹھوکریں کھانا ہے مگر میں اس کا پس منظر جو اس دور کے ماحول کے مطابق سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ اس میں اُس دور کی دِلّی اور رامپور کا سیاسی پس منظر بھی پوشیدہ ہے اس شعر میں مومن نے دِلّی کو ویرانہ لکھا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ اس بغداد شاہجہانی و بابلِ سراج الدین ظفر میں جہاں انسانیت تھی وہاں حیوانیت بھی تھی طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا جس کا تذکرہ انھوں نے جو قصیدہ حضرت ابو بکرؓ کی شان میں لکھا ہے اس میں اس طرح کیا ہے ؎

کوئی اس دور میں جئے کیونکر ۔۔۔ ملک الموت ہے ہر بشر
جس کو دیکھو سو مایۂ بیداد ۔۔۔ کیا ہوا اگر نہیں ہوسیمیں زر
نہ امیروں کو پائے بندی عدل ۔۔۔ نہ رعایا مطیعِ فرمانبر
اس کو سورِ ستم زماں کا خطاب ۔۔۔ جو کرے قتل خورد سالہ پسر

اس لئے مومن نے دِلّی کو ویرانہ اور رامپور کو ویرانہ تر اس وجہ سے لکھا ہے کہ دِلّی میں ان تمام عیوب کے علاوہ جو رامپور میں بھی تھے ایک عیب اور تھا جو دِلّی میں نہ تھا۔ اور وہ یہ کہ دِلّی کے عوام، رؤسا، شہزادگان، اور خود شاہ ظفر غیر ملکی غلامی کو برداشت کرنیکو تیار نہ تھے۔ مگر رامپور

کے نہ صرف عوام ورؤسا، بلکہ خود حاکم وقت تک اس چڑھتے ہوئے غیر ملکی سورج کی عبادت کے مقابلہ میں خاندان مغلیہ کے آخری ٹمٹماتے ہوئے چراغ بہادر شاہ ظفر جو آزادی ہندستان کا آخری حصار تھے کی پرستش کرنے کو تیار نہ تھے وہ غیر ملکی غلامی میں خوش نظر آتے تھے۔ اس شعر کا پس منظر جیسا میں نے پہلے عرض کیا لوگوں نے کچھ اور بھی بیان کیا ہے۔ مگر مومن نے خود نہ تو اسکی وضاحت کی ہے نہ شرح لکھی ہے اب ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ طبع آزمائی کرے اسی وجہ سے میں جو مناسب سمجھتا تھا عرض کر دیا۔ بہر حال مومن کے کلام میں حالاتِ زمانہ کا رنگ بھی ہے۔ اور صحیح جذباتِ دل کی ترجمانی بھی۔ لیکن وہ شاعری نہیں ہے جو عرضی ہو یا جسکو ذریعہ معاش بنایا گیا ہو۔ اسی وجہ سے مومن نے شاہ نصیر کی شاگردی کو جلد ختم کر دیا کیونکہ وہ ان کی خوشامدانہ شاعری کو پسند نہ کرتے تھے اور نہ ناسخ کے پہلوانی رنگ کو مومن مذہباً غیر مقلد تھے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے نہ صرف شاہ نصیر کا ساتھ نہ دیا بلکہ کسی اور کے ساتھ بھی چلنا گوارا نہ کیا اور وہ اس وجہ سے کہ ایک تو مومن مذہباً غیر مقلد تھے اور دوسرے وہ بذاتِ خود میدانِ ادب میں ایک نیا راستہ تیار کر رہے تھے پھر بھلا وہ کسی کی تقلید کیسے کرتے۔ انھوں نے تو بذاتِ خود نہ صرف اپنے بعد کے آنے والوں کے لئے بلکہ اپنے لئے بھی میدانِ ادب میں ایک وہ روش بنائی جو نہ مذہب سے بیگانہ ہو نہ اخلاق سے عاری تاکہ شعراء ایک خاص سطح سے نیچے نہ گر سکیں اور ان کا کلام کلام ہو اس میں تعیش پسندی نہ ہو یا بازاری پن نہ ہو۔ اور واقعی مومن نے نہ صرف دوسروں کیلئے یہ راستہ تیار کیا بلکہ خود بھی ہمیشہ اسی شاہراہِ ادب پر گامزن رہے۔ اسی وجہ سے فن غزل میں مومن کے ہم عصروں میں سوائے غالب کے سب ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تاریخ ادب گواہ ہے کہ ہر شاعر نے شاعری کو ذریعہ معاش بنایا ہے ماسوائے مومن کے اور خاص طور سے فن قصیدہ تو شاید ایجاد ہی اس لئے ہوا تھا کہ خوشامد کر کے کسی کی تعریف میں جھوٹ کا طومار باندھ کر زمین آسمان کے قلابے ملا کر ذرے کو مہر درخشاں ثابت کر کے شکم پروری کی جائے۔ اور یہ ہو سکتا تھا کہ مومن اپنی آن اور خودداری کی بنا پر قصائد نہ کہتے تو لوگ یہ کہہ سکتے تھے کہ مومن اس فن سے ناواقف تھے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا مومن

نے قصاید کہے اور اسمیں بھی مومن نے ایک نئی چیز پیش کی. مومن نے قصایدکی وہ بزم سجائی ہے جس کے وہ خود ہی صاحب خانہ ہیں خود ہی رونق بزم اور خود ہی شمع محفل. مومن یہاں بھی ایک خاص اور نہ صرف خاص بلکہ افضل ترین مقام پر فائز ہیں۔ اردو ادب کے تمام درخشندہ ستارے اس صنف میں جب اس مہر درخشاں کے سامنے لائے جاتے ہیں تو ان پر کہر چھا جاتی ہے اور وہ ماند پڑ جاتے ہیں اور یہ ہی وہ صنف ہے جسمیں انکے ہم عصر اور شعراء کا تو ذکر کیا "کتاب تصوف" کے مالک غالب جنکی اس کتاب تصوف اور شیدائیاں غالب کے بقول "ایک الہامی کتاب" جسکا سرمایہ مضامین نہ صرف امراء، وزراء اور آخری تاجدار شاہ ظفر کی مدح سرائی بلکہ بعد غدر انگریز حکام کی چاپلوسی بھی ہے۔ اور جن کے کلام کو لوگ سرمایہ حریت وطن قرار دیتے ہیں جنکا ایک بھی قصیدہ یا قصائد کا کوئی ایک شعر بھی مومن کے مقابلہ پر نہیں لایا جاسکتا وہ مومن جو جہاد کے متمنی تھے۔ اور جنھوں نے کہا ہے ؎

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب   یہ افضل سے افضل عبادت نصیب

یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں   مری جاں فدا ہو تیری راہ میں

میں گنج شہیداں میں مسرور ہوں   اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

اوروں کا تو ذکر کیا جنکی عمر ہی کاسہ لیسی میں گذری ہو مگر کلام تصوف کے خالق جن کی آن اور خودداری بڑی مشہور ہے وہ مرزا غالب بھی اس صنف میں جب مومن کے سامنے لائے جاتے ہیں تو ان کا نہ صرف کلام ہی کم حیثیت نظر آتا ہے بلکہ ان کی حریت پسندی، وطن پرستی، ولایت، آن، اور خودداری بھی مومن کے آگے دم توڑ دیتی ہے۔ اس صنف میں مومن فانوس میں جلتی ہوئی اس شمع کیطرح ہیں جسمیں سے رنگا رنگ کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہوں. مگر شمع ایک ہی ہو. مومن نے ادب کے اس بحر ذخار میں بھی غوطہ لگایا مگر اپنے دامن کو گوہر مرادیہ سے بھرنے کو نہیں بلکہ فقط ہنر شناوری دکھانے کو اور کسی کے آگے گھر تیرا ہو آباد کٹورا سائیں کا بھر دے کہہ کر کاسہ لیسی نہیں کی بھیک نہیں مانگی۔ قصائد اس طرح کہے ہیں۔ ایک حمدیہ قصیدہ خدا کی شان میں ایک نعتیہ

قصیدہ سرورِ کائنات حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس کے علاوہ چہار قصیدے حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی تعریف میں اسکے علاوہ بھی قصائد ہیں مگر کسی رئیس نواب یا والیٔ ملک کی شان میں اپنی کم مائیگی کا رونا روکر طالب امداد ہونے کا نہیں ہے حد تو یہ ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ کپور تھلہ نے ہزاروں روپے سفر خرچ کو بھیجے اور تین سو روپے ماہوار پر شامل دربار ہونے کو کہا مگر جب مومن کو پتہ چلا کہ وہاں ایک گویئے کی تنخواہ بھی تین سو روپے ماہوار ہے تو یہ کہہ کر کہ "جہاں شاعر اور گویّا برابر ہوں میں جانے کو تیار نہیں ہوں" جانے سے انکار کر دیا۔ کیوں؟ اس وجہ سے کہ ان کی خودداری کو ٹھیس لگتی تھی آن پر حرف آتا تھا اور ان کی اس حرکت سے ادب کے نام پر دھبہ لگتا تھا۔ کیونکہ مومن کسی کے ماتحت ہونا پسند نہ کرتے تھے اسی وجہ سے انھوں نے نواب وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک کے بلانے پر بطور معذرت ایک قصیدہ لکھا ہے ؎

یاد ایّامِ عشرتِ فانی — نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی — ورنہ میں اور تیری مہمانی
ہے ابھی آرزوئے وصلِ صنم — ہے ابھی حسرتِ ہوس رانی

مومن تو آزاد زندگی کے عاشق تھے۔ پھر مومن کس طرح خود کو کسی کا غلام بنا سکتے تھے اور اگر اس دربار سے منسلک ہو جاتے تو اس صنف میں اپنا واحد مقام کیسے پیدا کر سکتے تھے وہ تو اس آزاد زندگی کے سچے عاشق تھے جو آرزوئے وصل صنم اور حسرتِ ہوس رانی سے ظاہر ہے۔ اور پھر یہ کہ یہاں بھی مومن کا خدا پرست ہونا آڑے آیا مومن سوائے خدا کے کسی پر بھروسہ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی مصیبت کا حال خدا سے بیان کرکے اس سے طالب امداد ہوتے تھے اور یہ ہی مومن کی خدا پرستی اور مذہب پرستی تھی کہ جس نے ان کو دیدہ کاسہ لیس ہونے سے بچایا نہ صرف کاسہ لیس ہونے سے بچایا بلکہ انھیں حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کا معتقد اور مرید کر دیا پھر بھلا ایسی بارگاہ کا معتقد اور مرید کسی صاحبِ ثروت کے آگے کس طرح سر جھکاتا اور کاسہ لیس ہوتا۔

مومن کو یہ شرف صرف حضرت سید احمد شہید ہی سے نہیں ملا بلکہ مومن کی مجلسی زندگی کا زیادہ حصہ جو اپنے گھر کے مذہبی ماحول میں بسر ہوا اس نے ان پر اثر ڈالا اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کی مجالس اور تعلیم نے اس کو پختہ کر دیا۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ مومن نے جگہ جگہ غزلیات میں بھی مذہب کو شامل کیا ہے اور ہمیشہ جہاد کے متمنی رہے ہیں گو کہ ان کی یہ آرزو پوری نہیں ہوتی۔ مومن کے متعلق بقول مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی مولانا فضل حق خیرآبادی اسیر کالا پانی بعد غدر ۱۸۵۷ء کا فرمانا ہے کہ "مومن ایک ایسا ہیرا ہے جسکو اپنی طاقت کا اندازہ نہیں۔ جو اگر مجاہد ہوتا تو اپنے ساتھ والوں کے دلوں میں آتش جہاد بھر دیتا اور دشمنوں کی صفوں کو الٹ دیتا۔ جو اگر مذہب کی طرف مائل ہوتا تو امام وقت ہوتا" غرضیکہ اس صنف میں مومن واحد آدمی ہیں جنھوں نے ایک نئی راہ نکالی۔ ایک نئی بزم جمائی۔ جہاں ان کے ہم عصر غالب بھی ان سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قصائد میں ذوق کا مقابلہ مشکل ہے مگر مومن نے جس انداز میں قصائد کہے ہیں اس کسوٹی پر ذوق بھی پورے نہیں اترتے۔

مثنوی:۔ مومن شاعری کی اس صنف پر بھی پوری طرح قادر نظر آتے ہیں۔ مومن کی مثنویاں تقریباً دس ہیں۔ جن میں سے ایک قول غمیں اپنی محبوبہ امتہ الفاطمہ کے عشق میں ہے ایک مثنوی جہاد ہے اس کے علاوہ ساری مثنویاں ان کے اپنے عشق سے متعلق ہیں اور آپ بیتی کہلانے کی مستحق ہیں۔ کیونکہ مومن کا عشق عشق حقیقی نہ تھا اور نہ ان کو اپنی ولایت کا دعویٰ تھا اس وجہ سے ان مثنویوں میں بعض جگہ عریانی بھی پیدا ہو گئی ہے مگر پرواز سخن، وقت پسندی، مضمون آفرینی، معاملہ بندی کی وجہ سے مومن کی استادی کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ اس صنف میں بھی مومن کے ہمعصر شعراء اور خاصکر ذوق و غالب بھی ان سے پیچھے نظر آتے ہیں۔ غالب نے گو کہ آم کی تعریف میں جو کچھ کہا ہے وہ مثنوی کہی جاسکتی ہے مگر وہ نہ ہونے کے برابر ہے اسی سلئے مومن اس صنف میں ذوق و غالب سے بھی آگے ہیں۔ اس کے علاوہ مومن کی مثنویات عام فہم بھی بہت ہیں۔

رباعیات:۔ چار مصرعوں میں ایک خیال کو پورے طور سے حسن انداز میں پیش کرنا اور اسطرح کہ ہر ایک اسکو مکمل سمجھے اس فن پر جیسا عبور کہ مومن کے بعد آنیوالے شعرا میں سحر انیس، دبیر اور مولانا حالی کو حاصل ہے مومن کو نہیں ہے۔ مگر مومن اپنے ہم عصروں میں ضرور درجہ فوقیت رکھتے ہیں۔ مومن کی رباعیات ردیف وار کل ۱۳۱ ہیں۔

اس کے علاوہ مومن کے مسدّس، مثمن، مخمس، مثلث، وغیرہ بھی ہیں۔ انمیں سے زیادہ تر ان کی اپنی تظمیں ہیں مگر دوسروں کے اشعار پر تضمین بھی کی ہے مگر اس طرح کہ جن پر تضمین کی ہے وہ بھی مومن کے مصرعوں کے ساتھ اس طرح ملے ہیں کہ دوسروں کے مصرعے بھی مومن کے لگتے ہیں یا مومن کے مصرعے دوسروں کے معلوم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ آپسمیں ملنے کے بعد مصرعوں کی تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔ صرف یہ ہی نہیں بلکہ مومن نے تاریخی قطعات اور تاریخیں اس انداز میں پیش کی ہیں کہ ان کا جواب نہیں ہے۔ اور یہاں بھی مومن نے ایک عجیب رنگ پیدا کیا یعنی پورے مصرعے یا شعر سے تاریخ نہیں نکالی بلکہ جیسے اپنے والد کی وفات پر کہا ہے؎

بمن الہام گشت سال وفات　　　　که غلام نبی بحق پیوست

اب آپ غلام نبی کو حق ہی پیوست کر کے سال وفات نکال لیجئے۔ اس کے علاوہ بات میں بات پیدا کرنا معمولی بات تھی مثلاً ایک صاحب حج کو گئے مگر راستے سے واپس آگئے تو مومن نے ان کیلئے تاریخ کہی

چوں بیاید ہنوز خر باشد (۱۲۵۶)

آپ پوری تاریخ ادب چھان لیجئے مگر مقطعے میں ہر جگہ تخلص کا نباہ نہ صرف یہ کہ جیسا مومن کے کلام میں ہے اور کسی کے یہاں نہیں بلکہ مومن پر اس فن کا خاتمہ ہو گیا ہے۔

ان تمام خوبیوں کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف مومن کے ہم عصروں بلکہ اردو ادب میں ایسا کوئی شاعر نظر نہیں آتا جو مومن کی طرح ادب کی تمام اصناف پر پوری طرح قادر ہو۔ مومن کا صرف اردو کلام ہی نہیں بلکہ فارسی کلام بھی اسی طرح بہترین

ہے اور ان کی خطوط نویسی بھی۔

اور صرف شاعری کا کیا ذکر مومن ایک بہترین شاطر، بہترین منجم، بہترین رمال ریاضی داں بہترین طبیب اور بہترین موسیقی دان تھے۔ حد تو یہ ہے کہ مومن کے مرنے کے بعد دلّی کے بہترین بین باز نظیر نے یہ کہہ کر بین رکھدی کہ "دلّی میں اب کوئی قدردان نہیں رہا۔" اور شاید اسی وجہ سے غضب کا ترنم پایا تھا اکثر لوگ مومن کو ترنم سے اشعار پڑھتے سننے کیلئے بیقرار رہتے تھے شعر اس انداز میں پڑھتے تھے کہ مکمل شعر کی تصویر بن جاتے تھے۔ ہر اچھے شعر کی داد دیتے تھے۔ ایک دفعہ جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر آرہے تھے کہ چند بچوں کو سڑک پر اپنے مٹی کے گھروندے بناتے دیکھ کر پوچھا" میاں کیا کر رہے ہو" ایک بچے نے تتلا کر کہا میاں تر تا رہے ہیں (یعنی کر کیا رہے ہیں) ؎

توئے جاناں سے تھات لاتے ہیں — اپنا تابہ الد بناتے ہیں

(یعنی ؎ کوئے جاناں سے خاک لاتے ہیں — اپنا کعبہ الگ بناتے ہیں)

اس شعر کو سُن کر مومن وہیں سڑک پر بیٹھ گئے بچے سے کئی دفعہ شعر سُنا اسکو چمکارا پیار کیا اور گھر لاکر بہت خاطر تواضع کی۔ میں نے یہ واقعہ جن صاحب سے سنا ہے ان کے متعلق خیال یہ ہی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے ہیں۔

غرضیکہ مومن نے ہر فن کو سیکھا مگر فن کیلئے سیکھا اسکو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مومن ہر اعتبار سے ایک کامل آدمی تھے۔ اور کیونکہ اپنی مذہبیت کی وجہ سے نہ شرابی بنے نہ جواری۔ اسی وجہ سے مومن کا دامن پاک رہا مومن نے کسی سے اپنے آپ کو ولی منوایا نہیں زمانہ خود انھیں ولی تسلیم کرنے پر مجبور ہوا ہے لیکن افسوس ہے کہ مومن کو زمانے نے بھلا دیا تھا حد تو یہ ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے آب حیات کے پہلے ایڈیشن میں مومن کا کوئی تذکرہ نہیں کیا پھر لوگوں کے اعتراضات کے بعد دوسرے ایڈیشن میں مومن کو شامل کیا گو کہ مولانا محمد حسین آزاد نے دوسرے ایڈیشن میں معذرت کی ہے کہ ان کو مومن کے

حالات نہیں سکے تھے مگر اس کا یقین کیسے کر لیا جائے اور پھر جبکہ آزاد مرحوم نے خود وہ زمانہ دیکھا تھا جس میں مومن حیات تھے اور مومن نے وفات بھی مولانا آزاد مرحوم کے سامنے ہی پائی ہے۔ مولانا آزاد نے یقیناً مومن کو دیکھا بھی ہوگا اور خود مومن سے ان کا کلام بھی سنا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس وقت بچہ نہ تھے۔ پھر کس طرح ان کے اس عذر کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال کچھ ہو زمانہ مومن کو بھولا ضرور رہا لیکن خدا کا شکر ہے کہ کچھ عرصے کے بعد لوگوں نے پھر مومن کو یاد کیا۔ اس بیسویں صدی میں دنیا کو مومن سے روشناس کہلانے اور منظر عام پر لانے کا سہرا مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سر ہے کہ جنھوں نے مومن کے صحیح حالات اور کلام سے دنیا کو روشناس کیا۔

اس کے بعد اور لوگ بھی اس طرف متوجہ ہوئے اور ان میں ایک راقم الحروف بھی ہے۔ میں نے اس انتخاب میں اس کا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے کہ عام فہم انتخاب ہو تاکہ مومن کو عوام اور موجودہ زمانے کے زیادہ سے زیادہ قریب لا سکوں۔ اب تک کوئی انتخاب ایسا نہیں ہوا تھا جس میں جستہ جستہ سارے کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہو۔ اس لئے میں اس بات پر فخر کر سکتا ہوں کہ یہ سعادت میں اس انتخاب کو پیش کر کے حاصل کر رہا ہوں۔

شروع میں جب یہ کام شروع کیا تھا تو بہت سے ساتھی ساتھ تھے مگر اس منزل کے ہر مشکل مرحلے پر جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک نہ ایک ساتھی چھوٹا ہوا دکھائی دیا اور آخر کار جب یہ کام ختم ہوا تو منزلِ مقصود پر صرف میں اور میرے چند ساتھی ہی نظر آئے جن میں میں سب سے پہلے محمد احسن صدیقی بی اے کا مشکور ہوں کہ انھوں نے نہ صرف میرا ساتھ دیا بلکہ میں جب راہ پر خار دیکھ کر اور آبلہ پائی سے تھک کر ہمت ہارنے لگتا تھا تو احسن نہ صرف ساتھ دیتے تھے بلکہ خود آگے قدم بڑھا کر میری ہمت بھی بندھاتے تھے۔ اس کے بعد اپنے استاد شفیع الدین نیر صاحب پروفیسر جامعہ کالج کا ممنون ہوں جنھوں نے مجھے صحیح مشوروں سے نوازا اور اپنے استاد حافظ فیاض احمد صاحب اور برادرم محمد یونس خاں منیجر سنگم کتاب گھر کا مشکور ہوں کہ جن کی مدد کے

بغیر شاید یہ کلام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ میں والد بزرگوار قبلہ اسرار حسن خانصاحب کا انتہائی مشکور ہوں کہ جنھوں نے اپنی علالت کے باوجود نہ صرف صحیح نسخے اور صحیح غزلوں کے انتخاب میں میری مدد کی بلکہ میرے لئے دعائیں بھی کرتے رہے اور میری ہمت بھی بندھاتے رہے آج میں انکی دعاؤں کے طفیل ہی اس کام کو مکمل کر سکا ہوں۔ فیروز آرٹسٹ کا بھی ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی آن کے خلاف مجھ کو ٹائیٹل فوراً تیار کر کے دیدیا۔ اب آخر میں حضرت مولانا ضیا احمد صاحب بدایونی ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جن کو مومن سے ایک خاص رشتہ اور واسطہ ہے جو نہ صرف اس قافلے کے میر کارواں ہیں بلکہ سنگ میل بھی ہیں کا بہت شکر گذار ہوں جنھوں نے واقفیت نہ ہونے کے باوجود بھی استاد محترم ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی کی سفارش پر نہ صرف یہ کہ "تقریب" ہی لکھی بلکہ مجھکو صحیح مشوروں سے نوازا اور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اپنا قیمتی وقت خرچ کر کے جستہ جستہ غزلیات کی تصحیح بھی فرمائی ہے۔ امید ہے کہ حضرت مولانا صاحب اس جسارت کیلئے مجھ کو معاف فرمائیں گے کہ میں نے ان کا شکریہ سب سے آخر میں ادا کیا ہے۔

بہرحال یہ انتخاب حاضر ہے میں نے ہر امکانی کوشش کر کے جو کچھ بہتر ترین کر سکتا تھا کیا ہے۔ اب اس کا فیصلہ آپکے ہاتھ ہے کہ یہ کام کیسا ہے۔ اگر آپ اپنی رائے اور میری غلطیوں سے مجھ کو مطلع کریں تو عین نوازش ہوگی۔

خادم

عبدالودود خاں

۲-۱۸۰ احمد منزل کلاں محل دہلی

نوٹ:۔ زیر نظر انتخاب کی تیاری میں کلام مومن از حسن عسکری صاحب بھوپالی مطبوعہ گورنمنٹ پریس بھوپال کلیات مومن از ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب مطبوعہ ادارہ کتابی دنیا کراچی و لاہور۔ دیوان مومن مطبوعہ نولکشور پریس۔ دیوان مومن از مولانا ضیاء احمد صاحب

بدایونی ریڈر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مطبوعہ شانتی پریس الہ آباد اور ماہنامہ نگار کے مومن نمبر جو جنوری ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا تھا سے استفادہ حاصل کیا گیا ہے

غزلیات۔ قصائد۔ مثنوی، رباعیات وغیرہ سب کا انتخاب ان سب کتابوں سے کیا گیا ہے مگر غزلیات کی تصحیح دیوانِ مومن از جناب مولانا ضیاء احمد صاحب بدایونی سے کی گئی ہے۔ کیونکہ اور تمام نسخوں میں کافی غلطیاں تھیں۔ قصائد، مثنوی، رباعیات وغیرہ سب کلیاتِ مومن ڈاکٹر عبادت بریلوی اور دیوانِ مومن نولکشور پریس سے ہی لئے گئے ہیں۔

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج

دیکھا بھی ہم نے اُس شعرا کے امام کو



ولادت سنہ ۱۲۱۵ھ　　　　وفات سنہ ۱۲۶۸ھ

امام الشعرا رئیس المتغزلین حکیم مومن خاں مومن

غزلیات

ردیف الف (ا)

نہ کیونکر مطلع دیوان ہو مطلع مہر وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خارِ ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پاؤں فتنت دِ کا

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیری خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنّت کا

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیونکر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا

مرا جوہر ہو سرتاپا صفائے مہر پیغمبرؐ
مرا حیرت زدہ دِل آئینہ خانہ ہو سنت کا

مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دل صد پارہ اصحابِ نفاقِ و اہلِ بدعت کا

امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مِرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دَم بلا ہے جوشِ خون شوقِ شہادت کا

زمانہ مہدیِ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرتؑ کا

آخر اُمید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا

دل میں شوقِ رُخِ روشن نہ چھُپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا

بات کہنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا

چارہ جو اور بھی اچھا میں کروں گا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوند گریباں ہوگا

دوستی اس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

دیدۂ حیراں نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

آنکھ نہ لگنے سے سب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

بجھ گئی اک آہ میں شمعِ حیات
مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا

غیر عیادت سے بُرا ملتے
قتل کیا اُن کے اچھا کیا

زندگیِ ہجر بھی اک موت تھی
مرگ نے کیا کارِ مسیحا کیا

سچ ہی سہی آپ کا پیمان وفے
مرگ نے کب وعدہ فردا کیا

دُشمنِ مومن ہی رہے بُت سدا
مجھ سے میرے نام نے یہ کیا کیا

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جاں ہے وہ دِل جو بلائے جان نہ ہوا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اُٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بیداد آسماں نہ ہوا

دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحاں نہ ہوا

اُمیدِ وعدۂ دیدارِ حشر پر مومنؔ
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ
ہنگامۂ محبتِ اغیار کم ہوا

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

آتے غزال چشم سدا میرے دام میں
صیّاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا

ناکامیوں کی کاہشِ بیحد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوقِ لبِ یار کم ہوا

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی تو کی
تو بھی نہ وہ ان تغافلِ بیداد کم ہوا

کچھ تمھیں اور میں ہی نہیں سب کے سب کو
اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

گر غیر کے گھر سے نہ دلِ آرام نکلتا
دم کاہے کو یوں لے دلِ ناکام نکلتا

میں وہم سے مرتا ہوں وہاں رعب سے اسکے
قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا

کرتے جو مجھے یاد شبِ وصل عدو تم
کیا صبح کہ خورشید نہ تا شام نکلتا

جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا

ہر ایک سے اس بزم میں شب پوچھتے تھے نام
تھا لطف جو کوئی مرا ہمنام نکلتا

تھی نوحہ زنی دل کے خیانے پہ ضروری
شاید کہ وہ گھبرا کے سرِ بام نکلتا

کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غمِ ہجر
یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بتخانے ہی سے کیوں یہ بدانجام نکلتا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا / جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا
دل نہ پھرا جان ہی پھیرے خدا / یہ تو نہ جانے کہیں وہ تو گیا
آئینہ جلدی سے ٹپک دو کہیں / دل ہے نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا
ہوں میں سیہ روز کہ وہ شمع رو / شام کو آیا تھا سحر کو گیا
شوخیِ قاتل کے میں قربان ہوں / کہتے رہے سب یہ گیا وہ گیا
صبر نہیں شامِ فراق آپ کو / جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا
طالعِ برگشتہ مرے کیا پھریں / ملکِ عدم سے نہ پھرا جو گیا

ہائے صنم ہائے صنم لب پہ کیوں
خیر ہے مومن تمہیں کیا ہو گیا

ناصح یہ گلہ کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تو کب مری سنتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے یہ جو پوچھو
تو وو ہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے
پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں
پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کہیئے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ
سن سن کہ وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہاں تنگ دہانی کا نہ کرنے کیلئے بات
ہے عذر پر ایسا ہو کہ میں کچھ نہیں کہتا

اے چارہ گرو قابلِ درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ
پھر اس پہ بھی کہتا ہو کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سُن کے جو میں چُپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سُنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشئ اغیار
کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پردہ سے لقا نہ رہا

غیر آ کے قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

تیرے پردے نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

غم مِرا کس لئے کہ دُنیا میں
نہ رہا میں مِرا فنا نہ رہا

پہنچے وہ لوگ رتبہ کو کب مجھے
شکوۂ بخت نارسا نہ رہا

غیر چھیڑ کے ہے زخمِ دِل پہ نمک
شورِ اُلفت میں بھی مزا نہ رہا

مومن اس بُت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

ٹانکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ہاتھ کٹواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا

بس کہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چُھپاتے ہیں وہ آزار لگا

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اکبار لگا

ذرّۂ یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دوکان چشمِ گہر بار لگا

منہ میں کیسا خمِ صہبا کے بھر آیا پانی
تیرے لب سے جو لبِ ساغرِ سرشار لگا

ناگہاں نعش پہ عاشق کی دمِ نوحہ گری
کوئی مذکور ترا کرنے ستمگار لگا

دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مُردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا

کعبے سے جانبِ بُت خانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

شبِ غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا
دم رُکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط اندازے سارے کون یاں تک آئے تھا
سُن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا
کیا بُرا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا

یار و دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جاتے تھا اور یہ اِدھر کو آتے تھا

بات شب کو اس منع بے قراری پر بڑھی
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھاتے تھا

کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جاتے تھا

سوئے صحرا لے چلے اس کو سے میری نعش ہائے
تھا یہ ہی ڈر ان دنوں تلوا میرا کھجلاتے تھا

ہو گئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومنِ وحشی کو دیکھا اس طرف سے جاتے تھا

ہماری جان شب تجھ بن دلِ ناکام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا

چھپایا کیوں مرا واں رات دن رہنا بہم پھرتا
بتا تو کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشقِ خطِ زمرد فام لیتا تھا

سحر سے شام تک تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمھارا نام لیتا تھا
اگر مومن ہی ہو مومن ولے ایں تو نہ مانوں گا
جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا

اس لب نازک کو برگِ گل سے دیتے ہیں مثال
ہونٹ برگِ لالہ تھے اور نیل داغ لالہ تھا
اِک نگاہِ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی
گردشِ چشم پری رو ساحر بنگالہ تھا
آہِ پُر دُود اپنی کب زیبِ فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سُرمہ کا یہ دنبالہ تھا
مومن عاشق طبیعت نوجواں ہی مر گیا
عشق طفلِ چند سالہ دشمن صد سالہ تھا

میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا
شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا

بیکسی نے نہ دیا ہائے نہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا

یا دسہواً اُسے اے غیر ہے نسیان عمداً
یاد رکھ بھول گیا جس کو وہی یاد رہا

چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

لے چلا جوشِ جنوں جانبِ صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

گہ غمِ حور گہے عشقِ بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسنِ خدا داد رہا

میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لئے اللہ نے پیدا کیا

سر سے شعلے اُٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اس محفلِ آرا کا کیا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے اے وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

چارہ گر کعبے میں اس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخنِ شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

عوضِ ایمان سے ضد اس غارتگرِ دین کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا　　نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
کیا اس نے قتلِ جہاں اک نظر میں　　کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
نہ میری سنے وہ نہ میں ناصحوں کی　　نہیں مانتا کوئی کہنا کسی کا
جو پھر جائے اس بیوفا سے تو جانوں　　کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
وہ کہتے ہیں بیباک عاشق کشی یوں　　نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم　　نہیں میری جاں شکوہ بیجا کسی کا
دم الحذرا درعشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے مومن ایسا کسی کا

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا　　رحم اس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
الجھا ہے پاؤں یار کا زلفِ دراز میں　　لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پہنائیں گے بیڑیاں　　قابو میں اپنے گروہ پری زاد آگیا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی　　اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
جب ہو چکا یقین کہ نہیں طاقتِ وصال　　دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آگیا
ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا

وعدہ وصلت سے دل ہو شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارکباد کیا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں
حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا

نالہ اک دم میں اڑا دلے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصلِ بیداد کیا

کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا، نالہ کیا فریاد کیا

ان نصیبوں پر کیا اخترشناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلاد کیا

بت کدہ جنت ہے چلئے بے ہراس
لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

ناصح ہے طعنہ زن مری ناکامیوں پہ کیا
دلجوئیوں سے تیری کبھی کامیاب تھا

وقتِ وداع بے سبب آزردہ کیوں کیا
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہو گا شب کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا

روزِ جزا خدا اُبتِ جلّاد کو مِلا
گویا کہ خونِ ناحقِ مومن ثواب تھا

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا
یا مِرے اضطراب نے مارا

بزمِ مے میں بس ایک ہیں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا

لیکے دل بھی کجی نہیں جاتی
زُلف کے پیچ و تاب نے مارا

خون کیونکر مِرا کھلے کہ مجھے
اِک سراپا حجاب نے مارا

یاد ایّامِ وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

کس پہ مَرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکرِ جواب نے مارا

یوں کبھی نوجواں نہ مَرتا میں
تیرے عہدِ شباب نے مارا

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غمِ روزِ حساب نے مارا

دیکھ لو شوقِ ناتمام مرا — غیر سے لے جائے ہے پیام مرا
آتشیں خو سے آرزوئے وصال — پک گیا اب خیالِ خام مرا
دیکھنا کثرتِ بلانوشی — کاسۂ آسماں ہے جام مرا
رتبۂ افتادگی کا دیکھو ہے — عرش کے بھی پرے مقام مرا
کس صنم کو چھڑا دیا واعظ — لے خدا تجھ سے انتقام مرا
زانوئے بُت پہ جان دی دیکھا — ق — مومن انجام و اختتام مرا

بندگی کام آ رہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

کیا مرتے دم کے لُطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا
شاید کہ دستِ غیر رہا سات شانہ کش
اس زلفِ تابدادہ میں کچھ آج خم نہ تھا
مَیں مر گیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالے میں سم نہ تھا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپِ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اسے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

غیر کو سینہ کہے سے سیمبر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا

صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

اس کے دِل میں اب خیالِ قتل ہر دم آتے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دِکھلا دیا

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمانِ بالغیب آپ کا
اس بُتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

اڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغِ پرشکستہ کی پرواز دیکھنا

دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سرافراز دیکھنا

کشتہ ہوں اس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعوئے اعجاز دیکھنا

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

کہہ رہا ہے کون کس سے بے شکیبائی مِلا
مجھ کو قسمت سے نصیحت گر بھی سودائی مِلا

گور میں بھی جوشِ غمِ دل سے نہ نکلا ہائے ہائے
آپ ہی میں ہم نہیں جب کُنجِ تنہائی مِلا

ہم بھی تو نادان ہیں آخر پاس مطلب کس لئے
خضرؑ موسیٰؑ کو پئے تعلیم دانائی مِلا

چھوڑ بتخانے کو مومنؔ سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی مِلا

ہم رنگ لاغری سے ہوں گُل کی شمیم کا
طوفانِ باد ہے مجھے جھونکا نسیم کا

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیانِ اشک نے
اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا

یارانِ نو کے واسطے مجھ سے خفا ہو ہائے
تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا

یاد آتی کا فروں کو مری آہ سرد کی
کیونکر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا

واعظ کبھی ہلا نہیں کوئے صنم سے میں
کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا
واعظ بتوں کو خلد میں لیجائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذابِ الیم کا

جوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکل جانا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا
اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جانا
کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا
کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا
دم لینے کی طاقت ہے بیمارِ محبت میں
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

کیا قہرِ طعن بوالہوسِ بے ادب ہوا
جُرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہوا

محو جفا ستم کش الطاف کب ہوا
رحم اس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

بوسے دمِ غضب لئے الٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنّا کو لب ہوا

بجلی گری فغاں سے میری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

جی طعنِ وصلِ حور سے کیسا جلا دیا
روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا

ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا

ہو صرصرِ فغاں سے نہ کیونکر وہ مضطرب
مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا

سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسمان شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا

اے ہمدم آہ تلخیِ ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جامِ ہلاہل کو تھامنا

آغوش گو ہو گئی آخر لہولہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

مت مانگیو اماں بتوں سے کہ حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا

پاؤں زنداں سے اٹھے کیا سر اٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہو گیا

ہم یقینی جوش وحشت سے فلک پر پہنچے
خار دامن گیر پر عیسیٰ کی سوزن ہو گیا

خاک اڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی
شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہو گیا

داغِ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھنک گئے
تھا چراغِ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہو گیا
اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومنؔ نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہو گیا

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہو گیا
دوستی کی کیا کہ اپنا آپ دشمن ہو گیا
دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاکدامن ہو گیا
ہو گیا سنکر نویدِ وصل شادی مرگ میں
لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہو گیا
بسکہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہو گیا
مومنِ دیندار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخِ وقت تھا وہ بھی برہمن ہو گیا

قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا — اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا
تھے دشت میں ہمراہ مرے آبلۂ چند — سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا
اس حال کو پہنچے ترے غصے سے کہ اب ہم — راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا
زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ — تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا
صورت وہی غلطت وہی گردش وہی کیسے — حیراں ہیں کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا — کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا
اللہ ری ناتوانی جب شدتِ قلق میں — بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا
بے بخت رنگ و خوبی کس کام کا کہ میں تو — تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا
تھی خارِ راہ تیری مژگاں کی یاد پھر شب — تا صبح خوابِ چشم بیدار تک نہ پہنچا
بختِ رسا عدو کے جو چاہیں سو کہیں اب — اک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

وعدے کی جو ساعت دمِ کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا

مہتاب کا کیا رنگ لیا دودِ فغاں نے
احوال شبِ تار سے روشن ہے ہمارا

تفریح نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا درِ دل دار نشیمن ہے ہمارا

گر پاس ہے لوگوں کا تو آ جا کہ قلق سے
ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا

بتخانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن خضرِ راہ برہمن ہے ہمارا

میں تو دیوانہ تھا اس کی عقل کو کیا ہو گیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہو گیا

صور تھی منقارِ مرغِ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہو گیا

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشکِ خونی سے مرے منہ زرد سا کا ہو گیا

سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا
کفر ہے بے گلرخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا

ہمسری اس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہو گیا
لو مرے بختِ سیاہ کو اور سودا ہو گیا
مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہو وے غیر اچھا ہو گیا
چشمۂ حیواں بنا اُس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بسکہ اعجازِ مسیحا ہو گیا
روزِ محشر کیا ہوا پھر کیوں شب دیجور ہے
کیا ہمارا نامۂ اعمال کچھ وا ہو گیا
ہٹ گیا ہو گا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا
حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے اُستادوں کا دعوی ہو گیا

اس وسعتِ کلام سے جی تنگ آگیا
ناصح تو مری جان نہ لے دِل گیا گیا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

کیا پوچھتا ہے تلخیِ اُلفت میں پندگو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

جلتی ہے جان آتشِ خس پوش دیکھ کر
چلمن سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

آہ سحر ہماریِ فلک سے پھری نہ ہو
کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

مجھ خانماخراب کو لکھا یہ جان کر
وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آگیا

کیا رشکِ غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریفِ تغافل نہ ہو سکا

ہوتا ہے آہِ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گُل نہ ہو سکا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اسکے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانہ بُلبُل نہ ہو سکا

نفرت تھی اسقدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبحدم
پاسِ درازیِ شبِ کاکل نہ ہو سکا

وہ عکس، زلفِ خشمِ عدو میں پڑا نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانبِ سنبل نہ ہو سکا

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

شعلۂ دِل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دِکھا جانا

اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے
کیا قیامت ہے دِل آ جانا

پوچھنا حال یار ہے منظور
میں نے ناصح کا مدّعا جانا

مے نہ اتری گلے سے جو اس بن مجھ کو یاروں نے پارسا جانا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا

وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا مجھے رونا ہے خندۂ گل کا
دھیان ہے غیر کے تحمل کا ہوش دیکھا ترے تغافل کا
ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے سبب آشفتگی کا کل کا
لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا
حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں کہ محرک ہے خندۂ قلقل کا
نکہت اس زلف کی صبا میں ہو اڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا
جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں میں نے دعویٰ کیا تحمل کا
نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی ہو گیا گل چراغ بلبل کا
حیلہ ہے بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشۂ مل کا

اشکِ واژونہ اثر باعث صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا
جلوہ افزائے رُخ کے لئے مَے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا
کیا یہ پیغامِ رقیب ہے اے مرغِ چمن
خندہ زن بادِ بہاری سے وہ گل گوش ہوا
ہے یہ غم گور میں رنجِ شبِ اوّل سے فزوں
کہ وہ مہ رو مرے ماتم میں سیاہ پوش ہوا
تو نے جو قہرِ خدا یاد دلایا مومنؔ
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخِ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا
فرماتے ہیں وصال ہے انجامِ کارِ عشق
کیا ناصحِ شفیق نے مژدہ سنا دیا
تاثیرِ سوزِ دل کرۂ نار ہے مگر
اس شعلہ رو کو سینہ سے میرے لگا دیا

مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اس پہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اسنے ملا دیا
اس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے
گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا
ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

دِل قابلِ محبّتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ وہ جوش وہ طغیاں نہیں رہا
کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا
کیا اچھے ہو گئے کہ بھلوں سو بُرے ہوئے
یاروں کو فکرِ چارہ و درماں نہیں رہا
ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوقِ وصالِ واندوہ ہجراں نہیں رہا
پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دئے
وہ شورِ اشتیاقِ نمکداں نہیں رہا

نیند آگئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا

کس کام کے رہے جو کسی سے رہا نہ کام
سر ہے مگر غرور کا ساماں نہیں رہا

مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دِلّی میں کون دشمنِ ایماں نہیں رہا

گر میں کمبخت وہ بخیل ہوا — مجھ کو چھیڑا آسماں ذلیل ہوا
آسماں راہ پر نہیں آتا — دعویٰ خضرؑ بے دلیل ہوا
کس قدر تیز رو ہے سوئے صنم — نامہ بر میرا جبرئیل ہوا
آپ کی کونسی بڑھی عزّت — میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

ہائے مومن شہادتِ بے اجر
بہرِ وصلِ صنم قتیل ہوا

غصہ بیگانہ وار ہونا تھا — بس ہی تجھ سے یار ہونا تھا
کیا شبِ انتظار ہونا تھا — ناحق امیدوار ہونا تھا
کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمھیں — میری قسمت میں خوار ہونا تھا
مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا — حشر اور ایک بار ہونا تھا
صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ — اے دلِ بے قرار ہونا تھا
خاک میں حیف یہ شراب ملے — محتسب بادہ خوار ہونا تھا

رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پرہیزگار ہونا تھا

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا — رنج راحت فزا نہیں ہوتا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے — تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے — ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے — تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
نارسائی سے دم رکے تو رکے — میں کسی سے خفا نہیں ہوتا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا — جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
حالِ دل یار کو لکھوں کیونکر — ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اسے بھی فکر ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا، جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتا

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اس نے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

جہاں تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا، نہ جی ٹھہرتا، کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش دلِ عاشقاں کی اسکو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرام نازک قدم نہ ہوتا

وصال تو ہے کہاں میسّر مگر خیال وصال ہی میں
مزے اُڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ اندازِ رم نہ ہوتا

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سُن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذاب ہجرِ صنم نہ ہوتا

ردیف الباء (ب)

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

صبحدم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دمِ آغازِ سحر آخر شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ ادھر آخر شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اس کوچہ میں گر آخر شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرام دگر آخر شب

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب
کہیں سایہ مرا پڑا صاحب

کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب

کیوں لگے دینے خطِ آزادی
کچھ گناہ بھی غلام کا صاحب

ہائے رے چھیڑ رات سن سن کے
حال میرا کہا کہ کیا صاحب

دمِ آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب

کس سے بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب

کس کو دیتے گالیاں لاکھوں　　　کس کا شب ذکرِ خیر تھا صاحب

نام عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجئے بس خدا خدا صاحب

تھی وصل میں بھی فکرِ جُدائی تمام شب　　　وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
تا لو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی　　　تھا کس کو شغلِ نغمہ سرائی تمام شب
یکبار دیکھتے ہی مجھے غش جو آگیا　　　بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب
کہتا ہے مہروش تمھیں کیوں غیر گر نہیں　　　دن بھر ہمیشہ وصل جُدائی تمام شب

مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں
اس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

ردیف (پ)

یاں سے کیا دُنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رُک گیا میرا ابھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیرِ حُسن و عشق کا
ہم اِدھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پہ رکتے ہیں آپ

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

وصل شیریں کی تمنا کوہکن کو کیا کہوں
صحبت شاہاں سے ارباب ہنر رکتے ہیں آپ

دل کسی بُت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

ردیف التاء (ت)

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات — بے طور بنی تھی جان پر رات
ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے — کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات
تارے آنکھیں جھپک رہے تھے — تھا بام پہ کون جلوہ گر رات
اندھیر پڑا زمانے میں ہائے — ق — نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات
اس لیل و نہار غم نے مارا — ہے روز سیہ سیاہ تر رات

اس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی بارے تو شرِ غمِ ہجراں کی شکایت

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دِل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

پامالِ ستم ہے دلِ ناکام کے ہاتھوں
کس مُنہ سے کروں ولولہ جاں کی شکایت

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی برہمیِ زلف پریشاں کی شکایت

کیا بابِ اجابت پہ گذر ہوتے دعا کا
سُنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ
کیا تو نے بھی کی تھی شبِ ہجراں کی شکایت

حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکایت

ردیف التا (ث)

اظہار شوق شکوہ اثر اس سے تھا عبث
یعنی کہا کرتے ہیں تم پر کہا عبث

جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا
افسوس مر کر دیکھا کہ جینا ہے کیا عبث

اے روز حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث

امید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں
ہم سے وفائے زندگی بے وفا عبث

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

ردیف الجیم (ج)

ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

اڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہو گئی خاکساری آج

اک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج

بیکسی کیوں ہے نعش پر مجمع
کیا ہوئی تو مری پیاری آج

کوئی بھینچے ہے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہمکناری آج

نزع ہے اور روز وعدۂ وصل
ہے بہر طور دم شماری آج

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوئی لاف دینداری آج

ردیف الجیم فارسی (چ)

پنجہ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانے کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعائے سحری منتِ تاثیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ عذار
دیکھ تو صفحۂ قرطاس پہ تصویر نہ کھینچ

اتنی فرصت دے ستمگر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور ابھی سینہ سے مرے تیر نہ کھینچ

مومن اب کیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرت حرمتِ صہبا و مزامیر نہ کھینچ

ردیف الحاء (ح)

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

تشبیہ کس سے دوں کہ طرحدار کی مرے
سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح

مر چک کہیں کہ تو غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی ولیکن بری طرح

نے تاب ہجر میں نہ آرام وصل میں
کمبخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لگتی ہیں گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ دے اسی طرح

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

ہوں جاں بلب تبانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

ردیف الخاء (خ)

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشمِ گریاں سُرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سُرخ

گماں قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے آج
سیاہ مستیِ مے سے ہے چشمِ جاناں سُرخ

سرا آستیں ہیں طوفانِ اشکِ خونی کی
کہ ایک ایک شجر ہے برنگِ مرجاں سُرخ

سوا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامہ شہیداں سُرخ

غریق گریہ خونی رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سُرخ

ردیف الدال (د)

غربت میں گل کھلائے ہے کیا کیا وطن کی یاد
جیسے قفس میں مُرغِ چمن کو چمن کی یاد

اے محتسب نہ توڑیو شیشے کو دیکھنا
آتی ہے مجھ کو سنگ دلِ دلشکن کی یاد

تا شکوہ غیر کا نہ کروں مجھ سے کہتے ہیں
کیوں سرگذشت تم کو بھی ہے کوہکن کی یاد

پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گل
پھر مجھ کو آگئی ہے کسی گل پیرہن کی یاد

ہے کفر بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد

ردیف الذال (ذ)

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گھر صفحۂ دریا کاغذ

اس کے کوچے سے چلا آتے ہے اڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلاؤں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطونکے میرے
کمیاب سیاہی بنی عنقا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ

ردیف الرّاء (ر)

اے تند خو آ جا کہیں تیغہ کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

یا وہ ڈبو ئیگا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو رودتے ہیں ہم شرط ابر تر سے باندھ کر

جرّاح کیا سوچا تیا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول دی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اسلئے یہ زور شور
کیا کیا مضامین لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

یاد اس کی گرمی صحبت دلاتی ہے بہار
آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار

کوہ و صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

امتیاز دلدہی و دلبری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار

محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبل تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

غنچہ ہائے آرزو ہے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشن ایماں میں آتی ہے بہار

بے مروت ناتواں ہیں ہنس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانئے کیا دیکھ کر

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہو گئی تصویرِ لیلےٰ دیکھ کر

چشمِ نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

پھر گئی آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ سرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بلبے ہجوم
حسرتیں آتیں ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا اُلفت نہ آ جائے کہیں
لے لیا مُنہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

کر لیا خاک آپ کو اُس بت کے در پہ ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

ردیف الرّا ہندی (ڑ)

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہ ہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ

اس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

جس کوچہ میں گذار صبا کا نہ ہو سکے
اے عندلیب اس کے لئے گلستاں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصالِ حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ

ردیف الزّا (ز)

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز

یہ دن دکھائے ہیں شبِ فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کے پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

تشبیہہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
بنتا لہ خیز ہے لبِ شیریں وہاں ہنوز

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقولِ دردؔ
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو اک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصفِ حور
سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

یک چند اور کاہشِ غم چشم التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

کیوں کر مجھے گناہ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

ایسے ستم کئے کہ مرا جی بِٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اُٹھایا نہیں ہنوز

اب کی وفورِ عشقِ صنم میں ہے گفتگو
مومن وہ لب پہ ہائے خدا یا نہیں ہنوز

ردیف السین (س)

یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے زنگ[1] باندھے ہیں محمل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس، تو میں دل کے آس پاس

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس — گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس
میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا — جی گیا یوں ہی رائیگاں افسوس
شکوہ آزارِ غیر کا جو کروں — سننے کے کہنا ہے وہ کہ ہاں افسوس
گُلِ داغِ جنوں کھلے بھی نہ تھے — آ گئی باغ میں خزاں افسوس
بے وفائی ہوئی وفا کا سبب — غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس
موت بھی ہو گئی ہے پردہ نشیں — راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ہی نوجواں افسوس

---

[1] چھوٹا گھنٹا۔ یہاں مراد گھنٹیوں سے ہے۔

ردیف الشین (ش)

کل دیکھ کے وہ عذارِ آتش — کیا کیا ہی جلی ہے یارِ آتش
ہاں سیر دکھا لگا کہیں تو — اے نالہ شعلہ بارِ آتش
اُف ری تپِ گرمیٔ محبت — اس نام پہ جاں نثارِ آتش
تو نے تو وہاں لگائی مہندی — یاں دل میں لگی لگارِ آتش
مت آئیو مری خاک پر تو — برسے ہے سرِ مزارِ آتش
دیکھے ہے تو اور لگی دِل میں — اے دیدۂ اشک بارِ آتش

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اٹھتی ہے ایک بارِ آتش

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش — تو یک صورت خواب دکھلائے غش
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر — وہ اتنا کہ دیکھے تماشائے غش
قیامت جنوں میں ہوں نازک دماغ — نہ کیوں نکہتِ گل سے آجائے غش
خبر لو مری تم کہاں تک یہ ہے — یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش

خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہو جائے غش

ردیف الصّاد (ص)

روز ہوتا ہے بیاں غیر سے اپنا اخلاص
چشم بد دور تمھیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں
بارے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا اخلاص

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمھارا اخلاص

یہاں ہم سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اوس کا اخلاص

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے مَیں سب کہدونگا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

اب اُنھیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دُشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اس بُتِ دُشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

ردیف الضاد (ض)

بے صبر کو کہاں تپ داغ جگر سے فیض
گلچیں کو کب ہوا شجرِ بار ور سے فیض

زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہل نظر سے فیض

بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض

ملنے کو خاک ہی ہیں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض

ہے چرخ سے اُمیّد کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا خانۂ وابستہ در سے فیض

کیونکر نہ غم ہو خلق کو مومن کی مرگ کا
تھا سب کو اس کی ذاتِ سراپا ہنر سے فیض

ہاں ماں کہا بیچ بوئے زلف دوتا قرض
جان اب تو نہیں حشر کے دن دینگے صبا قرض

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دم قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض

کیونکر دے فلک دام عدو کو درم داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

گر کہیئے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتے ہو یا قرض

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانا
کس برتے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض

گن گن کے دئے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اُس پہ زرِ نایاب مرا قرض

آمد سے فزوں خروج ہے اے شور محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیونکر ہوا ادا قرض

ہم قرض یہ نقد دل اِسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لیکے دیا قرض

ردیف الطاء (ط)

ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

کرتے ہیں مجھ سے دعویٰ الفت وہ کیا کریں
کیوں کر کہیں مقولہ، اغیار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرر بار ہے غلط

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اسطرح
گویا کہ قولِ محرم اسرار ہے غلط

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

کیا جذبِ انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

سچ تو یہ ہے کہ اس بُتِ کافر کے دَور میں
لاف و گزاف مومنِ دیندار ہے غلط

ردیف الظاء (ظ)

ہاں تو کیونکر نہ کرے ترکِ بُتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

منتظر ہے کسی بُت کا جو نہیں تو کیوں ہے
مجلس وعظ میں ہر سو نگراں اے واعظ

اب ذرا سُننے دے تو کوئے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیونکر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترک صنم کا مذکور
یہ ہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

اہلِ جنّت سے کرو دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سُنتا نہیں یاں اے واعظ

جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہونگے نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

کیسے آرام پس مگر کافر تو
اہل اسلام کا ہے دشمنِ جاں اے واعظ
شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیونکر
نہ میں مومن ہوں نہ تو پیرِ مغاں اے واعظ

ردیف العین (ع)

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغانِ شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبانِ شمع

روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زباں پہ دیکھو بیانِ شمع

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلّاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع

مجھ بیگناہ کے قتل میں کیوں سوچ دیکھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطع زبانِ شمع

داغِ جدائی، دُرِ دنداں، و روئے زلف
ہے اشکِ شمع، و شعلۂ شمع، و دخانِ شمع

اس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سُنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

ایک اور پڑھ دو مومنؔ شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد لسانِ شمع

محفل فروز تھی تپ و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں راز دانِ شمع
تھا شب چراغِ خانۂ دُشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع
اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع
صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہو گئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع
پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع
ہوں داغِ بدگمانیِ دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشکِ روانِ شمع

اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمیں کی جانب دخانِ شمع

لائیں نہ تاب حرفِ بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

ردیف الغین (غ)

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیدا نہ ہو سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

اس مہروش کے جلوے کے قرباں کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

زلفیں اٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

ہے شامِ انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بہ صبح اِدھر ہم اُدھر چراغ
اس شعلہ رو نے تا کہ پسِ مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ
مومنؔ یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیشِ آفتاب ہو بے نور ہر چراغ

گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہو دلمیں جائے داغ
اپنے تو دل نشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ
کیا دُکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
کیا کہیے گر بیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلہ جوّالہ جائے داغ
اس رشک مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشم اشکبار کہیں بہ نہ جائے داغ
دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبسکہ میں
خود کردہ تھا بہ تاب و تپ شعلہ ہائے داغ

تاروں کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایّام ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ

ردیف الفاء (ف)

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

شامِ فراق خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

اس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گُل پھینکے عندلیبِ گرفتار کی طرف

دیکھ اشکِ لالہ گوں رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خونبار کی طرف

گل بانگِ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گذری نسیم آہ چمن زار کی طرف

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
مُنہ پھر گیا ہے کوئے ستمگار کی طرف

کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مگر
دیکھ اپنے نقشِ رشتۂ زنّار کی طرف

ردیف القاف (ق)

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

کسی کے خرام کی یاد میں نہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

پیہم ہے حالت جانکنی غرض اب تو جان پہ آ بنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

شبِ ہجر روزِ وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں
کہوں کیا تغیرِ حالِ دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق

نہیں چاہ میری اگر اسے، نہیں راہ دل میں تو کس لئے
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا، مرا حال سن کے ہوا قلق
کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق
یہی دین گر ہے تو چھوڑ دو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثالِ قبلہ نما فلق

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بُری بلا ہے عشق
اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آچھپا ہے عشق
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل رُبا حُسن و جاں رُبا ہے عشق
دیکھئے کس جگہ ڈبو دے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق
اب تو دل عشق کا مزہ چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں بُرا ہے عشق
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
باوفا حُسن بے وفا ہے عشق
قیس و فرہاد و وامق و مومن
مر گئے سب ہی کیا وبا ہے عشق

شوق بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہنچ اس مہدیٔ دوراں تلک

ردیفِ الکاف (ک)

امتحاں کے لئے جفا کب تک — التفاتِ ستم نما کب تک
غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو — ہے ارادہ نباہ کا کب تک
جُرم معلوم ہے زلیخا کا — طعنۂ دستِ نارسا کب تک
نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے — جوشِ لبیک و مرحبا کب تک

مر چلے اب تو اس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

ردیفِ الکاف فارسی (گ)

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ — ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ
دفورِ اشک و طغیانِ فغاں سے — کِدھر جاؤں اِدھر پانی اُدھر آگ
سمندر کر دیا آتش رخوں نے — کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ
جلایا آتشِ ہجراں نے دِل کو — ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ
نچوڑیں گے ہم اپنا دامن تر — جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ
وہاں تابِ رخ و یاں آتشِ دِل — جدھر دیکھو اُدھر ہے جلوہ گر آگ

جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

دھواں اٹھتا ہے دل سے وقت گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشم تر آگ

حصول سوز دل جز داغ کیا ہو
کہ نخل شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

زبس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت
مرا جلتا ہے جی دیکھ کر آگ

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے در بدر آگ

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کسقدر آگ

ردیف لام (ل)

مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں اے کرخت دل
کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل

داغ جنون دسنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج وتخت دل

گر جانتے کہ ہے شب ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل

کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دِل

بسکہ مشتاقِ نازِ یار ہے دِل
ستم آموزِ روزگار ہے دِل

وصلِ جاناں کہاں سوائے خیال
ہم ہیں مایوس اُمیدوار ہے دِل

دیکھ افراطِ زخم و کثرتِ داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دِل

بے دوا اور بیوفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دِل

بس کہ اس نے جلا کے خاک کیا
سرِ عشاق کا غبار ہے دِل

کیا کہوں میں ہجوم یاس و اُمید
رشکِ ہنگامِ انتظار ہے دل

شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دِل

کیا کروں کیونکر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی ہے اُس سے جس پہ آجاتا ہے دل

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینہ میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دِل

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دِل سے کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

وہ ستمگر دلبرِ عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دِل

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن و لے
کیا کروں بتخانے کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

ردیف المیم (م)

شام سے تا صبح مضطر صبح سے تا شام ہم
ایک عالم میں ہیں کیوں اے گردشِ ایّام ہم

شب رہے تجھ بن زبس بے چین و بے آرام ہم
صبح تک رویا کئے لے لے کے تیرا نام ہم

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے اُمّید وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخ لیلیٰ فام ہم
گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم

سرگرم رقص تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم
مارے خوشی کے مر گئے صبح شبِ فراق
کتنے سبک ہوئے ہیں گراں جانیوں میں ہم
آتا ہے خواب میں بھی تری زُلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم
اب قید سے اُمّید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

اے پردہ نشیں نہ چُھپ کہ تجھ سے   پھر دل بھی یونہی چھپائیں گے ہم

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
مُنہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خار راہِ غیر
کیوں کر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم

کیا گُل کھلے گا دیکھئے ہے فصلِ گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال — جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم
توڑنا مومن نہ پیمانِ الست — ہیں مسلم عاشقی کے فن میں ہم

غمِ ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم
نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بُت رام ہو جاتا
گئے مومنؔ فسوں پڑھنے پئے تسخیر اکثر ہم

اب اور سے لو لگائینگے ہم — جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
بگڑے تو کرینگے اور سے صلح — تجھ پر بھی بُری بنائیں گے ہم
کیا ذکر ہے ہونٹ چاٹنے کا — کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم
بتخانۂ چین ہو گر ترا گھر
مومنؔ ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم
اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائیمال کسی رہ گذر میں ہم

تھیں دشت سے زیادہ ترا سَ میں سختیاں
کیا چھوڑیں سر تصورِ دیوار و دَر میں ہم
یکساں ہے شامِ غربت و صبحِ وطن اثر
پائیں نغانِ شب میں نہ آہ سحر میں ہم
دِلّی سے رامپور میں لایا جنوں کا شوق
ویرانہ چھوڑ آئے ہیں ویرانہ تر میں ہم
وصلِ بتاں کہ وں تو نہیں یہ کہ ہو وہاں
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم

کب چھوڑتے ہیں اس ستم ایجاد کے قدم
سر ہے ہمارا اور ہیں جلّاد کے قدم
خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
پامالِ جہل حضرتِ مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے اُستاد کے قدم

اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم یوں آتشِ دِل بجھائیں گے ہم

ردیف النون (ن)

ناصحِ ناداں یہ دانائی نہیں — دِل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں
کِس توقع پر اُمیدِ وصل اب — طاقتِ صبر و شکیبائی نہیں
دعوئے حُسنِ جہاں سوز اسقدر — پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں
دردِ دل تو سُن لے ظالم ایکبار — گو دماغِ چارہ فرمائی نہیں

ترکِ مذہب کیوں کروں مومن میں کیا
اس صنم کو لاف یکتائی نہیں

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں مرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں
اگر مشہور ہوا فسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں
نہ میں اپنا نہ دِل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بے کس میں
ذرا سمجھو تو جانِ مَن وصالِ غیر پر ہر دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بنا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں
درِ بتخانۂ عشقِ بتاں اور آپ اے مومنؔ
یہ حضرت آگئے اک بار کیا طبعِ مقدس میں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطرابِ دل غرض جینے نہ دیگا تو ہمیں
دیکھتے ہی گل نظر بس تیرا ہنسنا پھر گیا
آتشِ گل نے لگائی آگ اے گلرو ہمیں
کیا اثر تھا اشک دشمن ہیں جو کوئے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
ہوش کیوں جلنے لگے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے آباد صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں
گر یہی شوقِ شہادت ہے تو مومنؔ جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافرِ دلجو ہمیں

بزم میں اس کی بیانِ دردِ غم کیونکر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیونکر کریں
مجھ پہ بعد امتحاں بھی جور کم کیونکر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم امید کیونکر کریں
لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیوں کر کریں
سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومنؔ ہیں دل نذرِ صنم کیونکر کریں

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں دگرنہ اثر میری آہ میں

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بُلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز
کہدے اگر ہو شک سخن دادخواہ میں

مومن کو سچ ہے دولتِ دنیا و دیں نصیب
شب بتکدے میں گذری ہے دن خانقاہ میں

شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر ہیں کہیں فصل نہیں باب نہیں

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوتے
تو گراں ہوویگی وہ جنس جو کمیاب نہیں

کلفتیں تار ہیں کیوں کر ترے بن گذرے گی
دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں

محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے مۓ ناب ہے زہرآب نہیں

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجتِ اسباب نہیں

کشش ابروئے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے دل مائلِ محراب نہیں

نالہ ہی نکلے ہے گو ہم مدعا کہنے کو ہیں
لب نہیں کہنے میں اب کیا جانے کیا کہنے کو ہیں

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں

وہ نہیں آتے نہ آویں مرگ ظالم تو تو آ
یاں لبِ شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

غیر سے سرگوشیاں کر لیجیے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دلِ رشک آشنا کہنے کو ہیں

ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بیقرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

طلبِ وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں
شوقِ نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

اے اجل کاش اُلٹ جائیں شبِ ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

دیکھنا اس دہنِ تنگ کے بوسے کا مزا
کہ ہوسناک تمنّائے عدم کرتے ہیں

کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مِری موت کا غم کرتے ہیں

جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں

ہر دم رہینِ کشمکشِ دستِ یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں

کیا کیجیے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

عمرِ دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو نہ مان ہجر کے اُمّیدوار ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

مُردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگِ جیفہ خوار ہیں

ردیف واو (و)

ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستمگر رات کو جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو
رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو
دیکھئے وہ کونسی شب ہو گئی اللہ رے جھوٹ روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو
صبحدم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہر گز نہ تھا بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو

کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بُری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

سنو ذکر ہے کئی سال کا کہ کیا اک آپ نے وعدہ تھا
سو نباہنے کا تو ذکر کیا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آں ادا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

جسے آپ گنتے تھے آشنا، جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومنِ مبتلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اعجاز جاں وہی ہے ہمارے کلام کو — زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو
مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج — دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اُڑاتے کیوں ہو
شعلہ ہائے تپ دِل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے دل کو جلاتے کیوں ہو

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سر مہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو
نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ ساز و مری اُمّید بندھاتے کیوں ہو
جن سے منظور وفا ہے ہو جفا بھی اُن پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو

خیر ہے کس نے کہا شورِ قیامت تم کو
نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو
دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پاؤں اُٹھاتے کیوں ہو

کھل گیا عشقِ صنم طرزِ سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

آتے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جو ل سوزِ دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو
روٹھے سو روٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیونکر
غیروں سے جب لڑے ہو لڑتے ہی من گئے ہو
بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو
کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجو جو تم
اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

هم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو

سنگِ در سے ترے نکالی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

صبحِ عشرت ہے وہ نہ شامِ وصال
ہائے کیا ہو گیا زمانے کو

برق کا آسماں پر ہے دماغ — پھونک کر میرے آشیانے کو
سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں — اپنا ہم مقبرہ بنانے کو
روزِ محشر بھی ہوش گر آیا — جائیں گے ہم شراب خانے کو
کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں — آسماں کے ستم اُٹھانے کو
چل کے کعبہ میں سجدہ کر مومن — ق — چھوڑ اس بُت کے آستانے کو
نقشِ پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

خالی ہوائے فتنہ سے کب ہے جہاں نہو — اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہو
یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے — جو ہے سو بدمعاملہ کیوں کر زیاں نہو
شیخِ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط — کیا کفر و دین جو پاس وہ زیبا جواں نہو
عزمِ سفر جہاں سے کروں کیا شبِ فراق — میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہو
اس شرط پہ جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی — رنجش نہو، فریب نہو۔ امتحاں نہو
یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا — صبحِ شبِ فراق ہے تو بد گماں نہو
مومن بہشت و عشقِ حقیقی تمھیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غمِ جاوداں نہو

ردیف الہاء (ہ)

چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھلا مُنہ | اے شبِ ہجر تیرا کالا مُنہ
آرزوئے نظّارہ تھی تو نے | اتنی ہی بات پر چھپایا مُنہ
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی | دیکھتے ہی مجھے بنایا مُنہ
بات پوری بھی منہ سے نکلی نہیں | آپ نے گالیوں پہ کھولا مُنہ
شبِ غم کا بیان کیا کیجے | ہے بڑی بات اور چھوٹا مُنہ
گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ | ق | بولے بس دیکھتے ہی میرا مُنہ
ہم بھی غمگین سے ہیں آج کہیں | صبح اُٹھے تھے دیکھ تیرا مُنہ

سنگِ اسود نہیں ہے چشمِ بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا مُنہ

ردیف الیاء (ی)

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ

معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ
نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرشِ بریں یہ

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ
کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی
کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جانِ حزیں یہ
یاں کا ہے کو وہ آنے لگا اے کششِ دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ
بیدم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
ق
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذرِ جفا کے ساتھ
بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغِ خلد ہے
کس جائے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دُعا کے ساتھ

ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعدِ مرگ بھی
اُٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہلِ عزا کے ساتھ

آتے ہی تیرے چل دیئے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دلِ حسرت فزا کے ساتھ

اللہ ری گمرہی بُت و بُت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ

ردیف الیاء (ی، ے)

خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اس بے وفا کے آنے کی

سمجھ کے اور ہی کچھ مر چلا ہیں اے ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگند کھا کے آنے کی

کروں میں وعدہ خلافی کا شکوہ کس کس سے
اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی

کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے مجھ کو صدائے درا کے آنے کی

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روزِ جزا کے آنے کی

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آ جائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آ جائے

کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آ جائے

نام بدبختیٔ عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے

کلفتِ ہجر کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آ جائے

حسنِ انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

شکوہ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوست داری کی

یاد آئی جو گرم جوشیٔ یار
دیدۂ تر نے شعلہ باری کی

یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی اُمیدواری کی

کردے روزِ جزا شبِ دیجور
ظلمت اپنی سیاہ کاری کی

تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے
ناخنِ غم سے دلفگاری کی

کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اس بت سے شرمساری کی

ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

سامنے سے جب وہ شوخِ دلربا آجائے ہے
تھامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہیے کہ دِل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے
اب تو مر جانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دُنیا سے اُٹھا جائے ہے
دیکھیے انجام کیا ہو مومنِ صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

ناوک اندازِ جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانہ کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہونگے
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہونگے
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہونگے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
ق
پھر وہی پاؤں وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہونگے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اُٹھے
یاں تلک روئے کہ اسکو بھی رُلا کے اُٹھے
دل سے کیونکر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اُٹھے
شعلہ ہائے تپِ غم سینہ جلا کے اُٹھے
گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اِک حرفِ غلط
ایک اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے
اُف ری گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اُٹھے
ہیں دکھاتا تمھیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب قوت دعا کے اُٹھے
شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اسکے آگے
خوب احوالِ دلِ زار سُنا کے اُٹھے

پامال اک نظر ہیں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہِ التفات ہے
پیغام بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے
چھٹ کر کہاں اسیرِ محبّت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے
جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے
یہ آبِ تلخ شربتِ قند و نبات ہے
کیونکر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقدِ دل زرِ جاں کی زکات ہے

مجھ پہ طوفان اٹھائے لوگوں نے
مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

کر دئے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جائے جائے لوگوں نے

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی
اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

اور ہی کچھ پڑھا دیا اس کو
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے

کر دیا مومن اس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

سرنگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

کس کے ہنسنے کا تصور ہے شب و روز کہ یوں
گدگدی دل میں کوئی آٹھ پہر کرتا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

سن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے | کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ | غش تمھیں دیکھ کر نہ ہو جائے
کثرتِ سجدہ سے وہ نقشِ قدم | کہیں پامالِ سر نہ ہو جائے
میرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو | کہیں دامان تر نہ ہو جائے
اے قیامت نہ آئیو جب تک | وہ مری گور پر نہ ہو جائے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بتِ آزردہ گر نہ ہو جائے

کہاں تک دم بخود رہیے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے | کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجے
غرض ہمسائیں بھی اسکا رہنا کیا قیامت ہے | کہ سُن لیتا ہے وہ گھر میں جو کچھ مذکوریاں کیجے
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیونکر دوا ہووے | بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجے
کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک | تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

عذابِ ایزدی جانکاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کیواسطے ذکرِ ستمہائے بتاں کیجے

تسلی دمِ واپسیں ہو چکی | ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی
بلا اس سیہ روز کو بزم میں | شبِ عیش اے مہ جبیں ہو چکی

مری تعزیت میں نہ لا غیر کو — کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی
کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے — کہ اُس سے زیادہ نہیں ہو چکی
وہ ہمدوش ہوگا بھی تو غیر سے — مری قسمت اے شانہ بیں ہو چکی
خیالِ اجل سے تسلی کروں — یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اُڑائے — کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

کمینتا میں ہے مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانیٔ دیں ہو چکی

دربدر ناصیہ فرسائی سے کیا ہوتا ہے — وہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے
شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے — ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے
جاں بلب ہوں خبرِ وصل سنا دے قاصد — لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے
زہر نوشِ غمِ شیریں نے کہا خسرو سے — تلخیٔ مرگ میں شکّر کا مزا ہوتا ہے
ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہمدم — بات کہنے میں مرا دم ہی ہوا ہوتا ہے
چاکِ پیراہنِ گل پر تو نہ پھول اے بلبل — جامہ یارانِ لباسی کا قبا ہوتا ہے

ہو نہ بیتابِ غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

نہ کٹی ہم سے شب جُدائی کی
کتنی ہی طاقت آزمائی کی

کیوں بُرا کہتے ہو بھلا ناصح
مَیں نے حضرت سے کیا بُرائی کی

گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

مر گئے پر رہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

مومن آؤ تمھیں بھی دِکھلاؤں
سیرِ بُت خانے میں خدائی کی

ہیں احوالِ دِل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سُنا کہتے کہتے

مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رُکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے

شبِ ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

چلے تم کہاں مَیں نے تو دم لیا ہے
فنا نہ دلِ زار کا کہتے کہتے

نہیں یا صنم مومن اب کفر سے کچھ
کہ خو ہو گئی ہے صدا کہتے کہتے

نہ انتظار میں یاں آنکھ اک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تار سے شب زبان لگی

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

گلی میں اس کی نہ پھر ہم آتے تو کیا کرتے — طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیاں لگی
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا اچھا کیا ذکر — عبث یہ بات بری تجھ کو بدگماں لگی
ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں ذلیل — کہ جس کی ذلت و خواری سے تمکو شان لگی
کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے — ہمیں یہ تیری دعائے بد آسماں لگی
وہ کینہ زور تھا مومن تو دل لگایا کیوں — کہو تو کیا تمھیں ایسی بھلی وہ آن لگی
برنگِ صورتِ بلبل نہیں نوا سنجی — ق — یہ کیا ہوا کہ چپ اسے گلستاں بیاں لگی

اجل جاں بلب اس کے شیون سے ہے — یہ نادم مرے زود کشتن سے ہے
وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں — عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر — کہ بیزار وہ سیر گلشن سے ہے
نئی کچھ نہیں اپنی جاں بازیاں — یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں — عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے

دلِ مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفلِ برہمن سے ہے

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے — ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے
کیونکر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے — کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں — اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کرینگے
کیا نامہ میں لکھوں دلِ وابستہ کا احوال — معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کرینگے
گر ذکرِ وفا سے بھی غصہ ہے تو اب سے — گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کرینگے

مومن وہ غزل کہتے اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترکِ درِ بتخانہ نہ کریں گے

توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کرینگے — وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کرینگے
ٹھہری ہے کہ ٹھہرائینگے زنجیر سے دل کو — پر برہمیِ زلف کا سودا نہ کریں گے
گر آرزو دے وصل نے بیمار کیا تو — پرہیز کریں گے پہ مدادا نہ کریں گے
رکھ لیویں گے پتھر مگران سنگ دلوں کو — چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے
ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں ہیں — پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کرینگے
جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر — پر منہ سوئے دیرِ صنم آرا نہ کریں گے
اے حضرتِ مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد — ق — بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کرینگے

لیکن جو بتوں ہی نے بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

پھر سینہ سوزِ داغِ غمِ شعلہ فام ہے
پھر گرم جوششِ دل وسودائے خام ہے

پھر دل ہے داغ مطلعِ خورشید دیکھ کر
از بسکہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

جاں لوٹتی ہے پھر کہ وہی عیش ہو نصیب
ہم ہیں وہ مستِ ناز ہے اور دَورِ جام ہے

جی چاہتا ہے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا
پھر ایک بات کہنے میں قصّہ تمام ہے

پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثلِ صبح چاک گریبانِ شام ہے

پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندۂ لوضا غلام ہے

پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں خطرِ انتقام ہے

پھر دوریٔ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومنؔ مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

مشورہ کیا کیجیے چرخِ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے
دم رکے ہے نالۂ شب گیر سے

میری وحشت کیلئے صحرا قفس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے

وہ مٹا دے نامہ مضمونِ وصل
گر ہو خطِ کاتبِ تقدیر سے

یوں بنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

قہر ہے پھرنا نگاہِ یار کا
الاماں اس بازگشتی تیر سے

لے گئی جاں یادِ رونقہائے وصل　　گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے

اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی　　ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر　　کہ کبھی سیرِ عید گاہ نہ کی
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں　　پرسشِ حال داد خواہ نہ کی
میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کر کے　　تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی
محتسب یہ ستم غریبوں پر　　کبھی تنبیہہ بادشاہ نہ کی
گریہ و آہ بے اثر دونوں　　کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
تھا مقدر میں اُس سے کم ملنا　　کیوں ملاقات گاہ گاہ نہ کی

مومن اس ذہنِ بے خطا پر حیف
فکرِ آمرزشِ گناہ نہ کی

بندھا خیالِ جناں بعد ترکِ یار مجھے　　کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے
نہ آسمان کا رُخ پھیر دوں جدھر چاہوں　　دیا ہے کیا طپشِ دل نے اختیار مجھے
وہ شامِ وعدہ جو آئے تو بیخود و سرمست　　رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے

وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں — یہ تنگ آ گئے حریفان بادہ خوار مجھے

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہو — قبول عذر ستمہائے بے شمار مجھے

شبِ وصال ہیں سب قطرہ قطرہ مے پی لی — رہا نہ وسوسہ چارۂ خُمار مجھے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقین — تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بیدردی — نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

ثواب ترکِ صنم سچ سہی ولے مومن
یہ کیا سبب کہ ستاتے ہو بار بار مجھے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لئے — سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لئے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لئے — عبث ہیں خاک ہوا میل آسماں کیلئے

خلاف وعدہ فردا کی ہم کو تاب کہاں — امید یکشنبہ ہے یاس جاوداں کیلئے

مزہ یہ شکوے میں آیا کہ بے مزہ ہوئے وہ — ہیں تلخ کام رہا لذّتِ زباں کیلئے

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امنِ قفس — ہے بیمِ برقِ بلا روز آشیاں کیلئے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے — ہمیں بھی دینی تھی جان اسکے امتحاں کیلئے

رواں فزائیے سحر حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لب بتاں کیلئے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی — تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی
چمن میں کوئی اُس کو سے نہ آیا — گئی برباد سب محنت صبا کی
کیا جب التفات اُس نے ذرا سا — پڑی ہم کو حصولِ مدعا کی
دیا علم و ہنر حسرت کشی کو — فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی
جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا — کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومنؔ
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

نہ ربط اس سے نہ یاری آسماں سے — جفا بہر عدو لاؤں کہاں سے
قیامت مرتے دم آئی فغاں سے — جہاں لیکر چلے ہیں ہم جہاں سے
شب وصل آپکا عذر نزاکت — بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے
بُرا ہے عشق کا انجام یارب — بچانا فتنۂ آخر زماں سے
مرا بچنا بُرا ہے آپ نے کیوں — عیادت کی لب معجز بیاں سے
وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر آپ — تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد — نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے — بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

خدا کی بے نیازی ہائے مومنؔ
ہم ایماں لائے تھے نازِ بتاں سے

قصائد

حمدِ باری تعالےٰ

الحمد لواهب العطایا — اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشکر لصانع البرایا — جس نے ہمیں آدمی بنایا
احسان ہیں اس کے کیا گرانبار — سر سج شدّاد کا جھکایا
سبحانک یا الٰہ عالم — عالم ترا عجز نے دکھایا
ہر جائے ہے ترا جلوہ لیکن — دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
کیا پایۂ منت سلیماں — اک بات میں تخت پر بٹھایا
کیوں شکر کریں نہ آلِ داؤد — افسونِ شہنشہی سکھایا
اللہ ری تیری بے نیازی — یعقوبؑ کو مدّتوں رُلایا
یوسفؑ سے عزیز کو کئی سال — زندانِ نے عزیز میں پھنسایا
یاں شعلے کو سرکشی کی تاب کیا — ابلیس کو خاک میں ملایا

تجکو ہی سزا ہے کبریائی — کرسی کا نہ عرش کا یہ پایا
مومن کو بقا ہے بعد دیدار — کیا مژدۂ جانفزا سنایا
وہ خاتم المرسلیں محمدؐ — جس نے ہمیں شرک سے بچایا
جب بندہ ہے تیرا نور ہا کون — پھر لایق بندگی خدایا
تو واحد بے نظیر و ہمتا — تو حاکم و خالق و برایا
آوے تری حمد کا توہم — یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
ہوں بندہ شور عجز ادراک — ناکام کو کام سے لگایا
مومن ہے زبانِ عرض احوال — مَیں نے تجھے بے خرد بتایا
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ — کیا ابرِ کرم ہے سر پہ چھایا
اللہ غم بتاں ہیں یک چند — بے فائدہ جان کو کھپایا
سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک — دین و دل و عقل کو لٹایا
حاصل نہ ہوا سوا ندامت — کس تخم کو خاک میں ملایا
ہر حلقہ دام آرزو نے — طوق لعنت مجھے پنھایا
ہم بزم ماہ وش نے گاہ — جوں بدر سحر تلک جگایا
بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے — گر شوق نے گرد کو پھرایا
تھا شورِ فدا اک جائے لبیک — اس دشمنِ دیں نے گر بلایا
یہ بے خبری کہ یاد جس کی — تھی واجب و فرض اسے بھلایا
روٹھا کوئی نازنیں صنم گر — سوگند دروغ کھا بٹھایا
کتنی ہی قضا ہوئیں نمازیں — پر سر کو نہ پاؤں سے اٹھایا

آیا نہ کبھی خیال حج کا | تلوا سو بار گر کھجایا
نیت ہی تھی توڑنے کی گویا | گر اس نے نماز میں ہنسایا
افسوس شکستِ صوم یکسو | یہ شکر کہ اس نے ساتھ کھایا
اللہ مرے گناہ بے حد | وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا
ہے عام خطاب یا عبادی | اس نے تو کچھ آسرا بندھایا
کیونکر نہ ہو تیری آس تو نے | افلاک کو بے ستوں تھمایا
اس دام سے مجھکو تو چھڑا دے | داؤد نے جس میں دل پھنسایا
دل زلف سے ہو رہا تو جانوں | زندانِ فرنگ سے چھڑایا
وہ عشق دے جس کا نام اسلام | وہ شیوہ نبیؐ نے جو بتایا
کچھ آب زنی کرے نہیں تو | سر نارِ جحیم نے اٹھایا
مجھکو بھی بچالے جیسے تو نے | یوسفؑ کو گناہ سے بچایا
وہ رفعتِ حال دے کہ جسنے | منصور کو دار پر چڑھایا
اس کا مرے دل پہ ایک پرتو | جس شعلے نے طور کو جلایا
مومن کہے کس سے حال آخر | ہے کون تیرے سوا خدایا

نعت سرورِ کائنات

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس | کہ جیسے صبح شبِ ہجر نالہائے خروس
غبارِ صحنِ چمن میں کیمیائے عیش و نشاط | بہار لالہ و گل سیمیائے عرضِ عروس
ہجوم سبزہ نے کی ہے کہ رنگ آمیزی | زمیں پہ چادرِ مہتاب بن گئی ہے سندس

خمیدہ شاخ سے یوں رنگ گل چمکتا ہے — کہ جسطرح سے بھڑک اٹھے مشعل منکوس
پڑھے مرغ گلستاں وہ مطلع رنگیں — کہ سن کے بس جسے رہ جائے سُن ہی بلبل طوس

مطلع ثانی

دہانِ لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خروس — گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسرِ کاؤس
مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے — کہ جس بنات کو دیکھو وہ صالح الکیموس
نمو کا معجزہ صلّ علیٰ کہ پھر گندم — ہوائے جنبشِ غربال سے بنے ہے سبوس
قبائے گل کو گر اطلس سے دیجیے تشبیہ — سیاہ پوش جعل ہو درونِ ماتم سوس
ہوا ہے اب تو یہ سرمایہ لطافت آب — کہ پشتِ ماہی پہ گل ہائے اشرفی ہیں فلوس
گر اس بہار کی یعقوبؑ کو ہوا لگ جائے — شمیم جامۂ یوسفؑ کبھی نہ ہو محسوس
ہوا ہے کونسی ایسی مگر مدینے کی — دم مسیح کو ہے جس کی حسرتِ پابوس
شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہو وہ ہو — جسے بتاتے ہیں محبوب حضرتِ قدوس
جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا — نہ دیتی دل کبھی یوسفؑ کو دخترِ طیموس
وہ کون احمدؐ مرسل شفیع ہر دو سرا — جو خلق کا سبب اور باعثِ معاد نفوس
جہاں مطاع شہنشاہ آفتاب فشاں — فلک سریر قمر طلعتِ فلک ناموس
سیاہ چشموں کو شکل نگاہ دزدیدہ — یہ اس کے حفظ سے ہے ملک معدلت محروس
کرم میں دوں اسے نیساں سے کسطرح تشبیہ — کہ دوں میں جان کے کیوں کر ترقی معکوس
کہ جنکی بخششِ یک روزہ کو وفا نہ کریں — ہزار سالہ گہر ہائے قلزم و قابوس

یہ جی میں ہے کہ پڑھوں اور ایک وہ مطلع
جو ہو ہر ایک متنفس کی طبع سے مانوس

مطلعِ ثالث

ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیارِ مجوس — ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ زارِ شموس
ہمیشہ عفو ترا طالب گنہ گاراں — مدام رحم ترا در مسند کا جاسوس
تری غلامی کی دولت سے خاکپا ہلال — سفیدہ رُخِ فغفورِ چین و خسرو روس
حمیدہ کس لیئے نہ آسماں بنے تھے بھلا — نہ تھا ازل سے جو مدنظر ترا پابوس
ترا وہ خوف کہ رُک جائے تا گلو آکر — نہ نکلے معبد ترسا میں نالۂ نا قوس
دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصوّر سے — بسانِ ساغرِ خورشید کاسہ ہائے دیوس

قطعہ

اگر کہے مدد دے یا محمدِ عربی — صفیرِ مرگ ہو رستم کو نعرۂ لا کوس
مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے — کہ تاب مہر سے جلتے رہے یہاں بھی مجوس
نہ جسکے دھیان میں مضمون قابَ قوسین آئے — وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس
شہا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے — ہزار گونہ ستم روزگار نا مانوس
ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنونِ علوم — خدا کسی کو نہ دے ایسے طالعِ منکوس
طبیب دم ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل — نظارہ رخِ گلفام سے مجھے محسوس
کروں جو گردشِ انجم کی میں رصد بندی — فدا ہو وجد میں آکر رواں بطلیموس
گواہ عصمتِ مریم ہو کثرتِ اولاد — عقیمہ مجھ سے سنے گر بیاں شکلِ عروس،
جو میری نثر کی دیکھے لآلی منثور — اٹھائے مسندِ حشمت حجاب سے کاؤس
فنونِ نظم میں میَں نے نکالی ایسی راہ — طریقۂ شعرائے سلف ہوا مطموس

مرے کلام ثریا نظام کا منکر
وہ تیرہ روز جو برجیس کو کہے منحوس

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومنؔ
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

ہے جب تلک گل و برقسمتِ نہال و شجر
ہے جب تلک دلِ لالہ میں داغ حسرت دوس

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہیں داغ عدو کا رہے دل مایوس

درتعریف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ[۱]

کوئی اس دور میں جئے کیونکر
ملک الموت ہے ہر بشر

جسکو دیکھو سو مایۂ بیداد
کیا ہوا گر نہیں ہے سیم و زر

نہ امیروں کو پاسِ بندی عدل
نہ رعایا مطیع فرماں بر

اسکو سو رستم زماں کا خطاب
جو کرے قتل خورد سالہ پسر

۱۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی صاحب کی کلیات سے تمام قصائد لئے گئے ہیں اس میں اس قصیدہ کی سُرخی ہے "درنعتِ سرورِ کائنات" نعتیہ قصیدہ اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے گو کہ دو نعتیہ قصیدے بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر اس کے بعد تینوں خلفاء حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی شان میں تو قصائد ہیں مگر حضرت ابوبکرؓ کا نام نہیں ہے۔ اور مومنؔ جیسے راسخ العقیدہ انسان سے اس بات کی اُمید نہیں ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو چھوڑ دیں۔ علاوہ ازیں اس قصیدے میں آگے چلکر مطلع ثانی میں تحریر ہے کہ؎ مسند آرائی محفلِ تقدیس + اوّلیں جانشینِ پیغمبر۔ اس شعر سے ظاہر یہ ہی ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ سے متعلق ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کاتب نے غلط لکھدیا ہو۔ مگر اس غلطی سے ڈاکٹر صاحب اور ادارہ کتابی دنیا کراچی و لاہور بری الذمہ نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ غلطیوں اور ایسی سخت غلطی کی تصحیح کی ذمہ داری انھیں پر ہے۔

ہیں گدا پر غرور شیر دیہ — بے گناہ جو کیا ہے خونِ پدر
وہ نہ لی جس نے حال کی میری — عمداً آگیا کہ بھول کر بھی خبر
وہ کہ مومن کی ضد سے مومن ہو — یہ کہ اس کے لئے بنے کافر
ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار — حیف خورشید زیرِ خاکستر
دیکھے نرگس حسد سے جانبِ گل — خوردہ بیں ہو گئے ہیں اہلِ نظر
واعظوں کی زباں پر آتا ہے — برملا شکوۂ قضا و قدر
کہے مفتی سوال کو واجب — کسبِ مقصود جو ہوئے یکسر
سن کے لایحتسب کا مژدہ ہوا — کافروں کو بھی گو نہ گو نہ خطر
جب نہ تب والضحیٰ پڑھے ہے امام — مقتدی تا نشیں فلا تنہر
قدر دانی کا نام ہی نہ رہا — چند ناداں ہوئے ہیں نام آور
ہجو گوئی نہیں ہمارا کام — ایسی باتوں سے خامشی بہتر
پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی — جُدا جُدا کہیں سُن کر

مطلع ثانی

لاویں اس مفلسی میں سوزنِ زر — ہونٹ سینے دے گر نصیحت گر
دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم — گر نہ ہو روے التفات ادھر
وہ بھی ایسا نہیں کہ یوں محروم — رکھے مستوجبِ کرم کو مگر
مانعینِ زکات ہیں اغیار — یاد ایام نصفتِ سرور
مسند آرائی محفلِ تقدیس — اولیں جانشینِ پیغمبر
خاکساری پسند عرش مقام — آدمی صورت و فرشتہ سیر

سینہ سرشار مہر یزدانی ‏ چشم لبریز جلوۂ محشر
لب وہ آب حیات جس کیلئے ‏ تشنہ کام صد آرزو کوثر
کیا گنے خوبیاں کوئی اس کی ‏ ایک سخاوت شمار سے باہر
اس کے دروازے کے گدا کی زکوٰۃ ‏ ملک خاقان وحشمت قیصر
خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے ‏ بھولے عاشق شکایتِ دلبر
دم بھرے اسکے کوئے دلکش کا ‏ باغ جنت میں بھی نسیمِ سحر
رافت اسکی ہو جب ضعیف نواز ‏ آب ہو جائے شرم سے منبر
جب "اولی الفضل منکم" اے حاسد ‏ اس کے حق میں کہے جہاں داور
افضلیت میں کیا سخن بھی بات ‏ سب سے بہتر کہ سب سے ہے بہتر
اور پڑھتا ہوں ایک وہ مطلع ‏ جان دے جس پہ ہر سخن گستر

مطلع ثالث

اے مسیح دمِ رواں پرور ‏ زندگی بخش دینِ پیغمبر
گرمیٔ التفات سے تیری ‏ خشک ہوئے عاصیوں کا دامنِ تر
تو وہ سلطان کہ بارگہ کا تری ‏ پشت کا شانہ ہے فلک منظر
قصرِ جاہ وجلال میں تیرے ‏ فخر کیواں ہے پاسبانی در
ذرۂ خاکِ در کی تابش سے ‏ جل گیا مہر آتشیں پیکر
ماجرا اُس کے تیغ کا تیری ‏ الاماں الاماں کہیں کافر
ذکر کرتے زباں کٹتی ہے ‏ کیا بیاں کیجئے تیزیٔ خنجر
تری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر ‏ چھوڑ دیویں پرستشِ آذر

دیکھ کر تیری تیغ کوہ شگاف — ٹوٹ جاتی ہے سرکشوں کی کمر
تو وہ عادل کہ ذکر کسریٰ ہیں — عدل کی تجھ سے داد چاہے عمرؓ
فتنہ سازوں کو وہم فتنہ نہیں — دل ترا ہے جو کاشفِ مضمر
دزد چوری سے جی چراتے ہیں — گو نہ ہوئے ذرا مقامِ خطر
خوف عصمت سے تیرے آئے جو پاس — شمع پروانہ کے جلا دے پر
مومن اب کر دعا کہ سنتا ہے — تیری تقریر گوشِ دل سے اثر
تیرے احباب نیک بخت مدام — تیرے اعدا ہمیشہ فال اختر
تیرے حاسد ہوں غول صحرائی — تیرے پیرو ہوں پیشوائے خضر

در تعریف حضرت عمر رضی اللہ عنہ

جو اسکی زلف کو دوں اپنے عقدہ مشکل — تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
چلا ہی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا — غضب ہے شوق رسائی و دوریٔ منزل
مثال دیتے ہیں روز فراق سے کیا دور — بلائیں ہوں شب یلدا میں چرخ سے نازل
خدا سے ڈر بتِ بیدرد ہے یہ کیا انصاف — کہ تو جفا سے نہ ہو اور دعا سے ہوں میں خجل
میں اپنی کشتی طوفاں رسیدہ سے خوش ہوں — کہ بحر عشق میں کام نہنگ ہے ساحل
نئی طرح سے میں کرتا ہوں اب غزلخوانی — عدو بھی چاہیے اس زمزمے کے ہوں قائل

مطلع ثانی

دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل — کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل
وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو — نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے پسِ محمل

وہ شوخ بے سبب آزار بیگناہ خوں ریز | کہ جرم قاتل عثمان کا نہو قائل
وہ نکتہ داں کہ تقیہ کو اصل دین کہے | دم شکایت عاشق نہو جفا سے خجل
وہ دور بیں کہ خدا پر کرے بدا ثابت | نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قابل
امام اہل یقیں شہریار کشور عدل | امیر لشکر دیں و مبارز قتل
بلند پایہ عمرؓ جس کے قصر رفعت کا | گدای خاک نشیں شاہ آسماں منزل
شہ سریر خلافت مہ سپہر کمال | محیط ابر نوال و سحاب دریا دل
وفور بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے | کہاں ہے معن کریم اور حاتم باذل
یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ | ہوا وفور سخاوت سے مانع سائل
حساب دفتر احسان اس کا مشکل سہل | کہ بے شمار ہے گو ہے فقط مد فاضل
معاند و جو کہا خاتم رسالت نے | کہ میرے بعد نبوت کے تھا عمرؓ قابل
یعنی خلافت راشد کی اسکو ہے یہ دلیل | یہ ہی امامت برحق کی اسکو ہے سجل
بڑھایا پایۂ الہام رائے صائب سے | کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل
مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط | کہ بت پرست کہاں فاروق حق و باطل
رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ہوا | کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہو گیا فاعل
یہ جوش خیانہ کفار کی خرابی کا | کہ خود گرائے کلیسا کو راہب خامل
دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم | نگاہ لطف و غضب سے مثلث عامل
وہ داد خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے | جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل
یہ خوف ہے کہ اگر کیجئے ذکر خونریزی | عدو سے منقبض الطبع کو ترے ہو سل
ترے زمانے میں صد سالہ پیر فانی سے | زیادہ تر ہیں جوانان فتنہ گر کاہل

وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن — ابھی سے ہم تو جہنم میں ہو گئے داخل
گرا دے جب تری تکبیر قلعۂ اصطخر — تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں تیان چگل
شہا کسی نے نہ دی یہاں مرے ہنر کی داد — کہ نکتہ فہم نہ تھا ایک سر و ریا ذل
دہاں صلے میں نعیم جناں کی ہے امید — اگر ہو لطف ترا میرے حال میں شامل
یہ وہب ہے جو مناجات کبریا میں کروں — تو انقطوا لکھے ذاکر سے عابد سائل
مرے بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے — سپند جس پہ ہوئے گردنِ بتاں کے تِل
یہ معجزہ مرے سحر حلال کا ہے کہ کفر — ہر ایک مذہب و ملت میں جادوئے بابل
کلام حد سے زیادہ سزا نہیں مومن — مبادا طعنۂ طولِ مقال دے مبطل
دعا پہ ختم سخن کر کہ شورِ آمین ہے — اُٹھا بٹھائینگے مُردوں کو عرش کے حامل
نصیب روزِ جزا جب کرے نزولِ جلال — زمیں پہ چرخ سے تختِ شہنشہ عادل
موافقوں کو بہشت و ترقیٔ درجات — مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل

در تعریف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

ہے یہ ہی حسرتِ دیدار تو مرنا دشوار — مردم شماری کی مری عمر ہے نا روزِ شمار
تاب بھی یہ دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی — میری قسمت میں نہ تھا ہائے خدا کا دیدار
نور خورشید سے ہے جُرم قمر کی تابش — مے سے ہو کیوں نہ فزوں حسنِ رخِ ماہ عذار
دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہ عید — جس طرح سوئے ہلال رمضان بادہ گسار

اور اک کھینچتے ہیں شعلہ فشاں نالۂ گرم
کیا کریں یونہی نکالیں گے ذرا دل کا بخار

مطلعِ ثانی

نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سروکار چھوڑ دوں آج وفا گر ہو وفا سے بیزار
کیا ہو گر اس کے ستم روزِ جزا بھی نہ کھلیں میں نے واعظ سے سنا ہے کہ خدا ہے ستار
اے صنم چاہیے مومن کی فراست سے حذر کیا نہیں تو نے سُنا قصۂ شاہِ ابرار
ہوئے ہیں زیبِ وہ تختِ خلافت عثمان رضؓ جس کی مسند کے حسد سے فلکِ اطلس خوار
لطف سے اسکے زمیں غیرتِ باغِ فردوس خلق سے اس کے زماں رشکِ دکانِ عطار
اس کے احسان فراداں کا جو مذکور چلے کم ہو مستعمل تقریر بجائے بسیار
بیر روحہ کی حکایت میں کہا رضواں نے سلسبیل اسکے ہے دریائے سخاوت کا کنار
کرۂ آب ہو گر قطرۂ عثمان ہمہ صدف چرخ کرے شکوہ طغیانِ بحار
اس کے تمکیں سے اگر کوہ کی دیجئے تشبیہ ہے یقیں شعلہ جوالہ کو آجائے قرار
اسکے دروازے کے سگاں کا آرام تو دیکھ ہو گیا دشمنِ بسمل کو تڑپنا دشوار
شرطِ ایمان ہے پیمانِ خلافت اسکا وہ مسلماں ہے کیا جس کو ہو اسمیں انکار
قصۂ بیعتِ رضواں میں اشارہ ہے یہی ورنہ کوئی نہیں ہم دستِ رسولِ مختار
معنی روشن و مضمون بلند اور سنیں سامعیں کو ہے اگر مطلعِ نو پر اسرار

مطلعِ ثالث

اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار درِ دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار
سائلوں کا ترے کوچے میں دم فیض ہجوم جیسے گلزار میں ہنگام سحر جوشِ ہزار
جا کے جنت میں بھی رہتی ہے ترے در کی ہوا ورنہ مرغانِ اولی اجنحہ کیوں ہو طیار
خوف سے تیری عدالت کے لگا کر مستی سرخیِ لب کو چھپاتے ہیں بتانِ خونخوار

اے شہہ پایہ فزا مدح سرا گر تیرا
پستی بخت نگونسار سے ہو شکوہ گذار

نہ ہنر کی مرے پرسش نہ سخن کی مرے قدر
نہ گہر کی مرے ارزش نہ طلا کی معیار

مومن اے ہرزہ درا نالہ و افغاں سے حصول
ذکر کیا راہ پر آئے فلکِ ناہنجار

جب تلک گردشِ افلاک ہے اس عالم میں
ایک کے دل کو قلق ایک کے دل کو ہے قرار

تیرے احباب رہیں تکیہ زن مسندِ عیش
تیرے حساد ہوں آمادہ دشتِ ادبار

در منقبت حضرت علی رضی اللہ عنہ

کھلتی ہے میری تیغ زبان سے زبانِ تیغ
کیونکر سخن فروش ہوں سوداگرانِ تیغ

ہرگز نہ کر سکے مرے خامہ سے سرکشی
پیدا سر نگوں سے ہے عجز بیانِ تیغ

دل ہی میں حسرتِ نفسِ خونچکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امانِ تیغ

پڑھتا ہوں اور مطلع رنگیں کہ سن جسے
سرگرم آفریں ہو لبِ خونچکانِ تیغ

مطلع ثانی

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسانِ تیغ
میری زبان کے آگے چلے کیا زبانِ تیغ

مومن کو آرزو دے ثواب جہاد ہے
کفار کاش آ کے سنیں داستانِ تیغ

آئی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار
لے جاؤں منکروں کے لئے ارمغانِ تیغ

شیر خدا علیؓ کو شجاعت سے جنگی ہے
سرپنجہ اسد پہ زرنخ زن بنانِ تیغ

کیا دور اسکے دست کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریزہ ہو مژہ خونفشانِ تیغ

وہ آو غ تیری تیغ میں جل جائے مثل طوہ
گر تو صنم کدہ پہ کرے امتحانِ تیغ

کہتے ہیں دیکھ کر سے دشمن ہلالِ عید
کھا دے سوائے زخم کے کیا مہمانِ تیغ

حسرت ہے تیرے بوسۂ دستِ بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشانِ تیغ

دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو
ابروے کا تیرے عکس پڑے گر میانِ تیغ

آبِ حیات چارہ کرے یا دمِ مسیح
ممکن نہیں جئیں ترے خوں گردگانِ تیغ

منکر تری امامتِ حق کے ہیں گرمِ جنگ
درکار ہے وضو کو جو آبِ روانِ تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سرِ قہرمانِ تیغ

کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلۂ الامانِ تیغ

ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقتِ جنگ
بانگِ شکستِ تیغ ہے شور و فغانِ تیغ

کوئی کرے نہ گرمیِ روزِ نشور میں
بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبانِ تیغ

لرزاں تھے مثلِ بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زبانِ تیغ

پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوتِ زرد شاہدِ بیمِ سنانِ تیغ

جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان نہ ہوئی ترجمانِ تیغ

یہ کہکشاں نہیں ہو رہا خوف سے جو دھیان
سو بڑھ گیا ہے دل پہ فلک کے نشانِ تیغ

سیف و قلم ہیں دونوں ستون کاخِ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہانِ تیغ

رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لبِ خونچکانِ تیغ

غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہو
سرگرمِ جلوہ فصلِ بہار و خزانِ تیغ

زہرآب دیں اگر ترے دولت کے دور میں
عمرِ خضر ہو زندگیِ جاودانِ تیغ

گرمِ دعائے شاہ ہو مومن کہ کب سے ہے
آمیں سرا زبانِ اجابت فشانِ تیغ

تاجِ ظفر ہو زیب وہ فرقِ دوستاں
اعدا کا سر رہے تہِ بارِ گرانِ تیغ

قصیدہ [۱]

یاد ایامِ عشرتِ فانی / نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
خاک میں رشکِ آسماں سے ملے / ہائے کیسے بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں آئے کون / بے دری کر رہی ہے دربانی
نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں / کہ میں شہری ہوں یا بیابانی
جائے گل ہیں چمن میں ریزہ سنگ / کاہ کرتی ہے نازِ ریحانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں / خاک سارے جہان میں چھانی
سقفِ رنگین و زرنگار کہاں / جز سپہر و نجوم و نورانی
شورِ زاغ و زغن ہے سمع خراش / اب کہاں بلبل و غزل خوانی
یا ظروف و سماط سے مجھے تھا / دعوئے قیصری و خاقانی
یا نہیں ہے مرقع و کشکول / تا کروں تازہ رسم سامانی
ہم ہیں اور حسرتِ مئے گلگوں / خوں پلاتا ہے قہر یزدانی
زہر ملتا نہیں کہ پی جاؤں / اب کہاں وہ شرابِ ریحانی
وہ گزک کیسی وہ کباب کہاں / نقلِ مجلس ہے دِل کی بریانی

۱؎ یہ قصیدہ مومن نے نواب وزیر الدولہ بہادر والی ٹونک کے بلانے پر بطور معذرت لکھ کر بھیجا تھا۔ یہ ہی وہ قصیدہ ہے جس میں مومن کی آن، خود داری، توکل اور آزاد زندگی سے پیار کا رنگ چھلکتا ہے۔

کیا کہوں اپنی گردش ایام — صبح نوروز ہے شبستانی
اس چمن زار کو غزاں تھی ضرور — میں نے کیا تہہ کی بات پہچانی
کر دیا خالقِ دو عالم نے — امتیازِ ریاض رضوانی
ہائے وہ رقص خوش فزا جس کے — شکل انداز سرو بستانی
ہائے وہ زمزمہ سرا جن کے — سحر ہاروت زہرہ الحانی
تیر بارانِ فاقہ نے مارا — یک جھکی تھی کلاہِ بارانی
کس سرِ پُر عز درکو دی ہے — تنگیٔ غم نے چین پیشانی
اے فلک دل کو داغ کرتی ہو — روزِ خورشید کی درخشانی
جانِ مومن پہ گو نہ گو نہ ستم — کافر اتنی بھی نامسلمانی
اس سے کاوش نہ کر نہ ہو ظالم — آپ اپنا تو دشمنِ جانی
تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون — کھول دوں میں یہ رازِ پنہانی
مدح خواں شہ وزیر لقب — ختم جس پر ہوئی سخن دانی
کیا کہوں اسکی دست ہمت کی — میں گہر باری و زر افشانی
ہر گدا کی ہے زینت کشکول — رشکِ ترصیع تاج سلطانی
اے سخن سنج نکتہ داں تیری — کس زباں سے کروں ثناخوانی
مجھ سے تا کس کی ہم نشینی کا — تجھ سے داور کو شوق پنہانی
حاملِ دفترِ مدیح سے یوں — مجھے پہونچا تھا علم اذعانی
کہ نہیں کیوں خیالِ طوفِ حرم — مومن اور اتنی نامسلمانی
تجھے معلوم نہیں کیا ناداں — فرض ہے حج پہ نص قرآنی

ادل اس در پہ سجدہ ریزی کر — تا ملے مفت جاہ کیوانی
پھر طواف حرم میں ہو مشغول — تیرے صدقے شروط ایمانی
کب تلک اعتکاف بتخانہ — کب تلک کنج و دیر رہبانی
یوسفِ مصر نکتہ سنجی حیف — یوں گرفتار چاہ کنعانی
عالمِ مجمل حدیثِ رسولؐ — واقف نکتہ ہائے فرقانی
ہے تجھے بھی خیال طوف حرم — خضر رہ گر ہو فضل رحمانی
تاکہ صحنِ منا میں کر ڈالوں — نفس امارہ کو بھی قربانی
اس سے افزوں ہو شوق اس در کا — جس سے حاصل ہو یہ بہ آسانی
پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی — ورنہ میں اور تیری مہمانی
ہے ابھی آرزوئے وصلِ صنم — ہے ابھی حسرت ہوس رانی
فکر انجام سدّ راہ ہوتی — سن چکا ہوں حدیث صنعانی
بعد یک چند گر خدا چاہے — میں ہوں اور تیرے در کی دربانی
مجھ تلک پہونچے ہیں اب وجد سے — در ثنا نکتہ ہائے لقمانی
ہوں وہ نباض جسکے ناخن میں — حرکاتِ عروق شریانی
میرے ربط کلام کو پہنچے — نثر سعدی نہ نظم سلمانی
میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں — میرے در کا گدا ہے خاقانی
انوری کے بیاں میں ہے کہاں — میری تقریر کی سی تابانی
ملک معنی کا شہریار کہے — دیکھ خسرو میری قلم رانی
آج ہوتا کمال تو کہتا — اب تخلص سزا ہے نقصانی

مومن اب ختم کر دعا پہ سخن
تا کجا لافہائے طولانی

جب تلک باعثِ نشاط و ملال
ہے وصالِ فراقِ جانانی

تیرے حساد و رنج گوناگوں
تیرے احباب اور تن آسانی

تیرا اقبال روز افزوں ہو
جیسے مومن پہ لطف رحمانی

مسدس

تضمین بر شعر خواجہ میر درد

جائے عبرت ہے مرا حالِ پریشاں یارو — آس توڑے ہے یہ مایوسی حرماں یارو
دل لگا کر میں ہوا سخت پشیماں یارو — ہائے افسوس نہ نکلا کوئی ارماں یارو
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

نہ ہوا عشق میں اس شوخ کے آرام کبھی — نہ دیئے دستِ نگاریں سے مجھے جام کبھی
لبِ شیریں سے سنا ایک نہ دشنام کبھی — نہ ملی لذتِ عرضِ ہوس کام کبھی
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

میں بھی حاضر تھا ہوئے جب طرف کعبہ رواں — حضرتِ مومنِ تقویٰ روش شیخ زماں
بے ادب ہنستے تھے کیا لوگ ہیں بیہودہ گماں — پڑھ کے یہ درد کا مطلع جو ہوئے اشک فشاں
جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
ایک بھی اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

مسدس دیگر

دوستو عشقِ نہفتہ نے ستایا ہے مجھے — آتشِ شوقِ نہانی نے جلایا ہے مجھے
کیا کہوں کیا غمِ پنہاں نے دکھایا ہے مجھے — ضبطِ وحشت نے یہ دیوانہ بنایا ہے مجھے
چہرۂ زار سے پردہ نہ اٹھاؤں کب تک
گو غمِ پردہ نشیں ہے یہ چھپاؤں کب تک

دل مرے کہنے میں ہووے تو کچھ اب بھی نہ کہوں — پر بگڑ ہی گئی جب بات تو کیوں بات سہوں
اسکو بھی چاہیئے طاقت کہ میں چپ بیٹھ رہوں — کچھ بن آتی نہیں یارے عجب رنج میں ہوں
دل پہ کیا ہاتھ دھروں ہاتھ ہی قابو میں نہیں
سر رہے کس پہ کہ طاقت مرے زانو میں نہیں

اب بھی کچھ یاد ہیں وہ روز مری جاں تم کو — جن دنوں میں تھے شب وصل کے ارماں تم کو
آئینہ دیکھنے نہ دیتے تھے نگہباں تم کو — اقربا کیسا کیا کرتے تھے حیراں تم کو
گھر میں بھی پھر نہیں سکتے تھے رہا قید میں کیا
آپ یوسف تھے غرض رہتے نہ تھے قید میں کیا

گرم تھا یوں ملک الموت کا بازار کہاں — زندگانی سے تھے کم حوصلہ بیزار کہاں
کوبہ کو تھی یہ فغاں ہائے عزا بار کہاں — ہر اشارے پہ چلا کرتی تھی تلوار کہاں
نہریں یوں خون کی کس روز بہا کرتی تھی
یہ وہی کو ہے جہاں خاک اڑا کرتی تھی

مجھ سے جب آنکھ لڑی بر سر پیکار نہ تھے — لے گئے جب مرے دل کو تو دل آزار نہ تھے
تجھ کو جب کام پڑا ہے تو جفا کار نہ تھے — ایسے بے درد ستم پیشۂ خونخوار نہ تھے
طرز عشاق کشی آپ کو معلوم نہ تھی
شہر میں الحذر و ولولہ کی دھوم نہ تھی

اتنو بے رحمی و بیدردی و بیباکی ہے — بے سبب رنجش و بے وجہ غضبناکی ہے
لطف میں سستی ہے آزار میں چالاکی ہے — کھو دیا آپ کو کیا وضع یہ پیدا کی ہے
جان سے جاتے ہیں ہم اور تمھیں پروا ہی نہیں
ہو گئے ایسے کہ گویا کبھی کچھ تھا ہی نہیں

ہائے جی بیٹھ گیا بس کہ اٹھاتے ہیں ستم — دل کھنچے کیوں نہ بہت کھینچ چکا رنج و الم
صدمۂ عشق نے بے طور کیا ناک میں دم — ایسا بیزار ہوا ہوں کہ خدا ہی کی قسم
اس نے بھی کام نہ رکھا تو نہ رکھوں گا کام
پھر یہ سمجھوں گا کہ مومن کو بتوں سے کیا کام

مثمن

اے چارہ گر آ جلد کہ دم چارہ گری ہے — میں جان سے مرتا ہوں تجھے بے خبری ہے
کیوں پہلے ہی درماں سے یقینِ بے اثری ہے — اپنی سی تو کر دیکھ عبث نسخہ دری ہے
ہو جاؤں میں جاں بر تو تری نام وری ہے — یوں دعوئے بے صرفہ تو بیہودہ سری ہے
گر ہم سے مریضوں کی دوا ہووے تو جانیں
بیمار محبت کو شفا ہووے تو جانیں

دیکھو تو ادھر کو کہ کبھی یار تھے ہم بھی — غیروں کی طرح محرمِ اسرار تھے ہم بھی
سرمستِ مئے حیرتِ دیدار تھے ہم بھی — آئینہ نمط پشت بہ دیوار تھے ہم بھی
منظورِ نظر صورتِ اغیار تھے ہم بھی — اس چشمِ عنایت کے سزاوار تھے ہم بھی
یوں شربتِ دیدار سم آمیز نہیں تھا
کچھ نرگسِ بیمار کو پرہیز نہیں تھا

افسوس مرے غم نے نہ کی تجھ میں سرایت — بے فائدہ سے آئے نظر حرف و حکایت
آئی وہی در پیش جو تھی عشق کی غایت — بیجا ہیں گلے سب مری بیہودہ شکایت
بھولے سے جو مل جاتے ہو یہ بھی ہے عنایت — یعنی ہوں سبب پوچھ کے شرمندہ نہایت
ہے رنج بجا بات یہ بھائی مرے جی کو
سچ کہتے ہو دل میں نے دیا اور کسی کو

میں ہی تو کبھی رات کو بیدار رہا ہوں　　میں ہی تو ہم آغوشِ طلبگار رہا ہوں
میں ہی تو مئے وصل سے سرشار رہا ہوں　　میں ہی تو کفِ غیر سے میخوار رہا ہوں
ملکِ ہوسِ تازہ خریدار رہا ہوں　　لذت دہِ اوباشِ ہوس کار رہا ہوں
بدمستیاں میری ہی تو آنکھوں سے عیاں ہیں
میرے ہی تو ہونٹوں پہ دانتوں کے نشاں ہیں

کیا قہر ہے کیونکر نہ اُٹھے درد جگر میں　　میری تو بغل خالی ہے آپ اور کے بر میں
اک آن بھی مجھ سے نہ ملو آٹھ پہر میں　　گھر چھوڑ کر اپنا رہوں یوں اور کے گھر میں
سنتا ہوں شب و روز تمھیں بزمِ دگر میں　　کیونکر نہ ہو تاریک جہاں میری نظر میں
ہر روز تو اے مہرِ درخشاں ہے کہیں اور
ہر رات تو اے شمعِ شبستاں ہے کہیں اور

کیا ایسی بنی مجھ پہ کہ پامال جفا ہوں　　تم اتنے بگڑ جاؤ میں اس پر بھی نباہوں
تم چھوڑ دو یوں اور میں پابندِ وفا ہوں　　تم سے نہوں آزردہ میں گو جیسے خفا ہوں
یہ چاہیئے مجکو بھی کہ اب اور کو چاہوں　　ایسے کسی معشوقۂ دلجو پہ فدا ہوں
ہر دم جو سوئے عاشقِ مضطر نگراں ہو
فکرِ ستم اس کے دلِ نازک پہ گراں ہو

پھر دل نہ ٹلے بات سے گو بات کو ٹالوں　　پھر جاں نہ سنبھلے مری ہر چند سنبھالوں
ناچار ہو پھر آپ سے میں تجکو منالوں　　بیتاب ہو بس دوڑ کے چھاتی سے لگالوں
پھر دل کے نئے سر سے سب ارمان نکالوں　　تجکو بھی میں اپنا سا وفادار بنالوں
ہے نام جو پھر تابعِ فرمان کروں میں
مومن ہوں جو تجکو بھی مسلمان کروں میں

مثنویات

مثنوی نمبر ۱ خط بنام محبوبہ

اے چارہ گر مریض بیتاب
اے نور فزائے چشم بیخواب

اے جانِ وفا شعار مومن
درمان دلِ فگار مومن

اک آگ سی لگ رہی ہے تن میں
شعلے سے بھڑکتے ہیں بدن میں

ہے دھیان مجھے زبس تمہارا
اس فکر نے مجکو جان سے مارا

اے گل گلستانِ رعنائی
نو بہار ریاضِ زیبائی

ہے تجھے پاکدامنی کا خیال
مار ڈالے ہے مجکو شوقِ وصال

دیکھ اک بے گناہ مرتا ہے
جان تجھپر نثار کرتا ہے

ہیں یہ دن لطف زندگانی کے
پھر کہاں وکوے جوانی کے

میں وفادار ہوں وفا کی قسم
تیری حسرت فزا جفا کی قسم

شکایتِ زمانہ

ساقیا دے چک آب آتش رنگ
گرم و سرد زمانہ سے ہوں تنگ

غم کے خم منقل کروں خالی
جی بھرے یہ کہ دل کروں خالی

جوش دل کو جو یک بیک آوے
رازِ پنہاں زباں تک آوے

کھو دیا چین اک مہ رو نے
شب سیہ کی ہلال ابرو نے

شوق آیا تو دل نیازی کا
کھیل کھیلے تو عشق بازی کا

گھر سے عیش و طرب کے جوش گئے
میری نیند اقربا کے ہوش گئے

گھٹ گئے جو وصال ہوتا تھا
وہ بھی جی کا وبال ہوتا تھا

آفتِ جان و دل فراق و وصال
الغرض یوں ہی کٹ گئے دو سال

جب پڑی دونوں کی خلق میں دھوم
اتنے ملنے سے بھی ہوئے محروم

ہوئی شادی ہمارے یہاں یکبار
آئی مہماں وہ دولت بیدار

ایک خالی مکان میں آ کر
مل گئی چپکے چپکے ڈھب پا کر

کیا ملاقات رشک تنہائی
دم بدم تازہ حسرت افزائی

آگیا دو ہی دن میں روز نشود
منتشر ہو گئی وہ بزم سرود

وہ ملاقات آخری ہے ہے
کیسی دلداریاں مری ہے ہے

ہائے اس کے دم فسوں پرواز
چلتے چلتے سنا گئی آواز

اک قیامت دل حزیں پہ ہے
تہلکہ جان نازنیں پہ ہے

گئی جنت میں بسکہ ایسی حور
ہوئی بیتاب کیسی کیسی حور

کیوں نہ ہو گرم منتِ یزداں — دہن گور کو ملی یہ زباں
مجھ کو جس وقت یہ خبر آئی — بہشتی مرگ کی خبر لائی
پاس بدنامی اک ذرا نہ رہا — ہوش ناموس و ننگ کا نہ رہا
سینہ کوبی سے دل فگار ہوا — تیر حسرت جگر کے پار ہوا
ایک مدت تلک یہ حال رہا — ملک الموت کا خیال رہا

(مصائب و آلام کے زمانہ میں)

ایک دن مجھ کو جوشِ بے ہوشی — خوابِ نازِ جہاں فراموشی
دیکھتا کیا ہوں اک زہرہ جبیں — جلوہ افروز ہے سرِ بالیں
پوچھتا آپ مزاج کیسا ہے — غش یہ پھر تم کو آج کیسا ہے
دیکھو تو کس کا ہے بُرا احوال — یہ بنایا ہے تم نے کیا احوال
حظ اُٹھاؤ ذرا جوانی کے — کچھ مزے دیکھو زندگانی کے
عمرِ رفتہ کی جستجو کب تک — اپنے مرنے کی آرزو کب تک
صبر آنے لگا مجھے کم کم — شوق جتنا بڑھا ہوا غم کم
منفعل کی جو اس نے دلداری — نہ رہی زندگی سے بیزاری
دم بدم تازہ محفل آرائی — دلدہی دلبری دل آرائی
اک برس تک یہی رہا عالم — زندگی کے مزے اُٹھائے بہم
راہ پر اپنی آسماں نہ رہا — زہرہ برجیس کا قراں نہ رہا
ایک دن ہم موافق معمول — تھے نشاط و سرور میں مشغول

نیند دونوں کو آ گئی ناگاہ
بخت بھی اپنے ساتھ سو گئے آہ

ایک جنجالہ واں چلی آئی
ایک سر پر جلاتی لائی

آن کر سب میں کر دیا بدنام
اس بتہ کار نے کیا کیا کام

کوئی کہتا تھا آپ کی کیا بات
اتنی سی عمر اور یہ حرکات

اور ہم دونوں رہن حیرانی
کہ کھلا کیونکر راز پنہانی

گھر سے اٹھی صدا ملامت کی
ایک اک نے جدا قیامت کی

جھوٹی اک آدھ جب قسم کھائی
سمجھے سچ ہے یہ حسن و شیدائی

کئی دن بعد ایک شب تنہا
اتفاقاً ملی وہ مہ سیما

بس مجھے دیکھتے ہی رونے لگی
سلک گوہر نثار ہونے لگی

دل کو لب کی طرف رجوع کیا
قصہ درد و غم شروع کیا

یاد آتے ہیں وصل کے آرام
ہوں میں بیتاب گردش ایام

اگر امید یہ نہیں آتی
جان رہتی نظر نہیں آتی

ڈھب انہیں کے خیال میں آیا
سوچتے سوچتے یہ فرمایا

جب اک ایک گھر میں سو جاوے
بیخود اپنی طرح سے ہو جاوے

آؤ تم یاں یہ ہوشیاری سے
پختگی سے نہ خام کاری سے

کیا کہوں میں کہ سنتے ہی یہ نوید
ہو گئی کیسی اپنے گھر میں عید

سر کو پاؤں پہ دھر دیا میں نے
سجدۂ شکر یوں کیا میں نے

پھر گئے وصل سے ہوئے بیہوش
بن گیا گھر دوکان بادہ فروش

دوسری رات بھی وصال ہوا
روز فرقت کا انتقال ہوا

قصہ کوتاہ ایک زمانہ دراز
نہ ہوا گھر میں کوئی محرم راز

ہائے نیرنگ چرخ بوقلموں
پھر نئے رنگ سے کیا دل خوں

یعنی اک پیر زال شعبدہ باز
چرخ کی طرح تفرقہ انداز

خیر خواہی جتائی رنگا رنگ
لائی اس سادہ رو سے کیا کیا رنگ

جب یقیں ہو گیا کہ یار ہے یہ
محرم راز رازدار ہے یہ

لگے ہونے ہر اک طرح کے کلام
ہوئی آخر ذریعہ پیغام

اک دن جو بلانے آئی وہ
داغ نہ تھا تھی شب جدائی وہ

آکے بولی تو کوئی ہو تو بول
آج کیا بند و بستر در کھول

میں نے بیتاب ہو کہا کیا ہے
لگی کہنے تمہیں بلایا ہے

کہا میں نے کہ رہ کے آؤں گا
اک دو شعر کہہ کے آؤں گا

جا کے اس نے کہا کہ اے ناداں
بیخبر کس طرف ہے تیرا دھیان

اک پری وش نہ تجھ سی غیرت حور
پاس بیٹھی تھی ان کے اب ہے دور

بات کہنے میں اس نے کام کیا
قصہ دوستی تمام کیا

میں جو آیا تو التفات نہیں
وہ نظر وہ سخن وہ بات نہیں

پھر کوئی ملنے کی طرح نہ ہوئی
صلح اب کی کسی طرح نہ ہوئی ؎

مومن آ تو بھی اپنے نام پہ جا
نام کو ان بتوں کے آگ لگا

چھوڑ بس الفت مجازی کو
کر سلام ایسی عشق بازی کو

کبھی سنی کی ہے یا نہیں تعلیم
آیت اِنَّ کیدکُنَّ عظیم

مثنوی دوم

آغاز داستاں

اس شہر میں اک نوجوان تھا — عشاق میں شہرۂ جہان تھا
تھا نام تو مومنؔ اور دین کفر — جانِ محو بتاں و دلنشیں کفر
ہر دم اُسے شاد شاد دیکھا — سرمست مئے مُراد دیکھا
ناگاہ کسی سے دل لگایا — اِک رشکِ پری سے دل لگایا
اِک بت کا ہوا وہ آستاں بوس — مومنؔ سے بنا برہمن افسوس
رہنے لگا بے حواس اکثر — جانے لگا اس کے پاس اکثر
دیکھے جو ادھر سے طورِ اُلفت — سمجھا ہے اسے میری محبت
لیکن کہیں کچھ اثر نہ پایا — بے دیدہ کہیں نظر نہ آیا
اس سے نہ ملے کئی برس ہم — ملنے کو گئے ترس ترس ہم
اک روز ہوائے رُوح افزا — دم جبکہ بھرے دمِ مسیحا
بس دیکھ اس گھڑی کا عالم — اپنے نہ تھے اختیار میں ہم
آخر ہوئی مضطرب شتاباں — لے ہی گئی اُلفت بیاباں
تھے ہم جو گئے پئے تماشا — سو آپ ہی بن گئے تماشا
اک شخص بہت خراب خستہ — چہرہ پہ غبارِ غم نشستہ
بیٹھا تھا وہ جانشینِ مجنوں — حیراں و ملول و خوار محزوں
دیکھا جو نگاہِ غور سے خوب — واللہ وہی جوانِ مطلوب

جوں ابر نہایت اشک باری — جوں رعد شدت آہ و زاری
القصہ سنا جو کان دھر کے — سمجھے جو بہت خیال کر کے
ایام گذشتہ کا بیاں ہے — مذکور محبت بتاں ہے
ہے ورد زباں غم نہانی — ہے حالتِ دل قصہ خوانی
اے غارت جاں و جان مؤمن — اے آفتِ خانمانِ مومن
کیوں بھلتے ہیں اتنے جور تجھکو — آتا نہیں کیا کچھ اور تجھ کو
جو تم نے بنائی مرے جی پر — یہ ظلم کوئی کرے کسی پر
یہ ظلم تھے کب، کہاں ستم تھے — کیا کیا مرے حال پر کرم تھے
ہر رات کو مرے ساتھ سونا — اک لحظہ کبھی جدا نہ ہونا
وہ ہاتھ کو زور سے چھڑانا — وہ ہو کے تنگ کاٹ کھانا
وہ جی سے تنگ ہونے لگنا — کچھ بس نہ چلا تو رونے لگنا
وہ چیں بہ جبیں ہو کے کہنا — کن بے کسوں سے رو کے کہنا
اتنا تو نہ چاہیئے ستانا — ہر شام سے صبح تک جگانا
منظور یہ ہی ہے گر تو کہہ دو — گر جان ہی لینی ہے تو دے تو
ہے یاد وہ رات دن کی صحبت — آپس کی وہ الفت و محبت
تھی جیسے کہ پہلے مہربانی — ہیں ویسی ہی اب جفائیں جانی
ہو کس لیئے بر خلاف کہہ دو — کیا بات ہے منہ پہ صاف کہہ دو
کیا جرم ہوا معاف کیجے — دل میری طرف سے صاف کیجے

اب مرنے میں مرے کیا ہے باقی — فانی ہیں سبھی خدا ہے باقی
اس طرح غرض بہک رہا تھا — کچھ جوشِ جنوں میں بک رہا تھا
بس مومنؔ دل گداز خاموش — اب طاق ہوئی ہے طاقتِ جوش
ہر حرف ترا شرر فشاں ہے — ہے آگ کا شعلہ یا زباں ہے
زیں بیش ز سوزِ سینہ مخروش — جوں شمع خموش باش خموش

مثنوی جہاد

پلا مجکو ساقی شرابِ طہور — کہ اعضا شکن ہے خمارِ فجور
کوئی جرعہ دے دیں فزا جام کا — کہ آجائے بس نشہ اسلام کا
یہی اب تو کچھ آگیا ہے خیال — کہ گردن کشوں کو کروں پائمال
بہت کوشش و جاں نثاری کروں — کہ شرعِ پیمبرؐ کو جاری کروں
زہے سید احمدؒ قبولِ خدا — سر امتحانِ رسولِ خدا
خبردار ہو جاؤ اے اہلِ دل — کہ رحمت برستی ہے اب متصل
امامِ زمانہ کی یاری کرو — خدا کے لئے جاں نثاری کرو
کسی کو نہیں ہے اجل کی خبر — کہ آجائے بیٹھے ہوئے اپنے گھر
تو بہتر یہ ہے کہ جاں کام آئے — پس مرگ تربت میں آرام آئے
الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب — یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
تو اپنی عنایت سے توفیق دے — عروجِ شہید اور صدیق دے
یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں — مری جاں فدا ہو تری راہ میں
میں گنجِ شہیداں میں مسرور ہوں — اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں

تواریخ

تاریخ وفات مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم

انتخاب نسخہ سویں مولوی عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ — بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے — آگیا تھا کیا کہیں مردوں کے ایمان میں خلل
سہ ستم اے چرخ تو کس کو یہاں سے لیگیا — کیا کیا یہ ظلم تو نے بیکسوں پر اے اجل
جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا — لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسی گردوں محل
کیا کس و ناکس تھا صدمہ کیا جو وقت دفن — ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل
مجلس درد آفریں تعزیت میں میں بھی تھا — جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آکر بے بدل
دست بیداد اجل سے بے سروپا ہوگئے — فقر و دیں فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

تاریخ وفات میاں کالے صاحب

ہوئی جسدم وفات حضرت کی — مجکو تاریخ کا خیال آیا
ہاتف غیب نے کہا ناگاہ — کالے صاحب کو سرخرو پایا
۱۲۶۸ھ

تاریخ کدخدائی

وہ تفضل حسین یار قدیم — نیک خو نیک ذات نیک سیر
میر نواب بے نظیر جہاں — کیا خجستہ پدر سعید پسر
کدخدائی کا کیا کہوں ساماں — زیب کے دل میں کرلیا ہے گھر
فکر تاریخ میں سنا میں نے — کہہ رہا تھا سروش نیک اختر
لکھ دے اے مومن ستارہ شناس — سال عقد اجتماع شمس و قمر ۱۲۶۱

تاریخ کدخدائی میرن صاحب

میرے یار میرن کو اس سال میں — ہوا کدخدائی سے بارے فراغ
اگر غنچۂ نارسیدہ دلہن — تو دولہا نہایت ہے نازک دماغ
شگفتہ گل تازہ سال زفاف — بہم کر رہے ہیں خوش الحان زاغ

تاریخ پیدائش

دخت روشن رواں ہوئی پیدا — کیا ہی چمکا ہے اختر مومن
نال کٹنے کے ساتھ ہاتف نے — کہی تاریخ دختر مومن

ایک تاریخ

نواب کو بادشاہ نے بخشا — خلعت میں جو فیل چرخ تمثیل
میں نے بھی زیادہ بہر تاریخ — تشریف وزیر پر کیا پیل
۱۲۵۵ھ

ایمان تازہ کردن شہور سنین بدست امیر المومنین ابن امیر المومنین

چو سیہ احمدؑ امام زمان و اہل زمان — کرے بلا حدیبے دین سے ارادہ جنگ

تو کیوں نہ صفحۂ عالم پہ لکھے سال وفا — خروج مہدی کفار سوز کلک تفنگ

۱۲۲۴ھ

ایضاً

گلاب ناب سے دھوتا ہوں لفظ اندیشہ — کہ فکر مدحت سبط قسیم کوثر ہے

وہ کون امام جہاں و جہانیاں احمدؑ — کہ محض مقتدی سنت پیمبر ہے

زمیں کو مہر فلک سے نہ کیوں ہو دعوی فخر — کہ اس کا رایت اقبال سایہ گستر ہے

عروج سنگ در قصر جاہ پہ کہ جسے — نزار طعن حضیض اوج لامکاں پر ہے

زبس کہ کام نہیں اُسے سوائے جہاد — جو کوئی اس سے مقابل ہے سو وہ کافر ہے

شرف ہے مہر کو اسکے زمانہ سے دائم — زبس کہ روز و شب انصاف سے برابر ہے

وہ بادشاہ ملائک سپاہ کوکب دیں — کہ نور شمش و قمر جس کے گرد لشکر ہے

وہ شعلہ خصلت الحساد سوز کفر گداز — کہ جسکا نقش قدم مہر روز محشر ہے

وہ برق خرمن ارباب شرک و اہل ضلال — کہ شعلہ خوشہ حاصل تو دانہ اخگر ہے

وہ قہرماں فلک توسن و نجوم چشم — کہ ترک خرچ غلام اس کا مہر چاکر ہے

وہ شاہ مملکت ایماں کہ جسکا سال خروج — امام برحق مہدی نشان علی فر ہے

۱۲۴۴ھ

امواج فرات دیکھ روئے شبیر — حسرت سے یہ خونتابہ فشاں کی تقریر
ہیں اپنے ہی امتی لہو کے پیاسے — کیا تشنگیٔ آل نبیؐ کی تدبیر

ہے بسکہ محبت رسول مختار — مذہب کو میں سوچتا ہوں لیکن ہر بار
آتا ہے قیاس میں حق اہل حدیث — ہر چند قیاس سے نہیں ہے سروکار

مومن شوق گناہگاری کبتک — اے تیرہ دروں سیاہکاری کبتک
مان اپنے خدا کو باز آ بہر خدا — اے دشمن دیں بتوں سے یاری کبتک

مومن تمہیں کچھ بھی ہے جو پاس ایماں — ہے معرکۂ جہاد چلد یجئے وہاں
انصاف کرو خدا سے رکھتے ہو عزیز — وہ جان جسے کرتے تھے بتوں پہ قرباں

ارباب حدیث کا میں فرمانبر ہوں — تقلید کے منکروں کا سر دفتر ہوں
مقبول روایت آئمہ نہ قیاس — یعنی کہ فقط مطیع پیغمبر ہوں

گر ضعف یہی رہیگا مومن خاں کو — ہوگی تکلیف رحمت یزداں کو
کیوں کر پہنچے گی عالم بالا تک — دشوار ہو جب تن سے نکلنا جاں کو

دردِ شہدائے کربلا تو دیکھو　　خونریزیٔ چشم ماجرا تو دیکھو
ایسوں سے ہو کیوں نہ حق تعالیٰ راضی　　کیا صبر کیا اُن کی رضا تو دیکھو

کب تک ربط بتانِ بے وفا کی سی نباہ　　کب تک فکر حصول حشمت اور جاہ
آتا ہے یہ جی میں چھوڑ سب کچھ مومن　　اک کونے میں بیٹھے کیجے اللہ اللہ

دنیا کی طلب نہ روضۂ رضواں کی　　ہو گو کہ جفا کہیں گے ہم ایماں کی
چھوڑا کیا کچھ تیرے لئے پر تجھکو　　کافر ہوئی کچھ قدر نہ مومن خاں کی

مومن خلقت لباس پر مرتی ہے　　سر پاؤں یہ دامن کی طرح دھرتی ہے
عمامہ ہے نہ عصا نہ جبۂ حضرت　　پیروں کی یہی وضع ہوا کرتی ہے

وصلت میں کبھی مزا نہ پایا ہم نے　　عشق اک فریب تھا کہ کھایا ہم نے
اے کاش کہ جان دل سے پہلے دیتے　　جی کے یہ عیث عذاب اُٹھایا ہم نے

مردک نے شہنشاہ سے بیعت چاہی　　گمراہ نے کس راہ سے بیعت چاہی
مصداق ہوا معنیٔ تبت کا یزید　　فرزند ید اللہ سے بیعت چاہی

مومن لازم ہے وضع مرغوب بنے　　جو رنگ ہو آدمی خوش اسلوب بنے
کیا خرقہ و عمامہ ہے اللہ اللہ　　جب شکل بگڑ گئی تو تم خوب بنے

ہے بزم طرب میں اور ہی پامالی　　مستی نے نئی خلش یہ دل میں ڈالی
حسرت سے فلک کو دیکھ کر کہتا ہوں　　یارب یہ سبو کس نے کیا ہے خالی

مومن کوئی کس واسطے معیوب بنے　　ہاں سچ ہے بنی ہے جب اسلوب بنے
جب ہو صنم سے بدسلوکی پہ بگاڑ　　اللہ سے گر بنے تو کیا خوب بنے

احسان کیا اگر ستایا تو نے　　قصہ سے نباہ کے چھڑایا تو نے
کرنے لگے پھر وہی سمجھ کے باتیں　　بارے ہمیں آدمی بنایا تو نے

پھر پھرے ہوئے سرخ سیہ کاروں کے　　نوروز ہے دن پھرے گنہگاروں کے
بے وجہ نہیں کہ ابر رحمت ہے سیاہ　　دھوئے ہیں مگر گناہ مے خواروں کے

مظہر سے بری ہے کبریائی اس کی　　آئینہ گداز خود نمائی اس کی
وہ بندہ نفس جو لمنا للہ کہے　　زیبندہ اسی کو ہے خدائی اس کی
